وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اورہم نے قرآن کوسمجھنے کے لیے آسان کردیاہےتو کوئی ہے کہ سوچے‘سمجھے!

جلد 12	شمارہ 10	ربیع الاوّل 1438ھ	دسمبر2016ء

ISSN 2305-6231

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹرمحمدسعدصدیقی

حافظ مختاراحمدگوندل

پروفیسرخلیل الرحمٰن

محمدفیاض عادل فاروقی

مدیرمعاون ونگران طباعت: مفتی عطاءالرحمٰن

تزئین وگرافکس: جوادعمر

قانونی مشاورت:

محمدسلیم بٹ ایڈووکیٹ،چودھری خالداشیرایڈووکیٹ

ترسیل زربنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہلِ ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزارروپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400روپے، قیمت فی شمارہ 40روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7630861-7630863

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمدفیاض مطبع: سلطان باہوپریس،فوارہ چوک،جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ البینہ	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	علامہ اقبالؒ کی شخصیت کے تخلیقی عناصر	مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی	11
5	تحریک پاکستان میں اقبال کا کردار	ڈاکٹر محمد اسلم ضیا	25
6	اقبال کا تصوّرِ ابلیس	میاں صدیق صادق	33
7	جزیرۃ العرب: جغرافیائی کوائف (سیرتِ امام المرسلین ﷺ 8)	ساجد محمود مسلم	44
8	بصیرت نام تھا جس کا گئی............!	عبدالرشید ارشد	56
9	آئینہ حکمت بالغہ 2016ء	ثاقب نذر	62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ البَیِّنَۃ آیات 8 ، رکوع 1

اس سورۃ مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی ضرورت واہمیت کا بیان ہے کہ کافر خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین،کفر وضلالت کی جس حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں اُس سے ان کا نکلنا اس کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا کہ ان کے پاس اللہ تعالٰی کی طرف سے ایک بڑا رسول بھیجا جاتا جو انھیں پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سناتا جس میں مضبوط دلائل ہیں۔تو اب اللہ کے اس عظیم رسول اور قرآن حکیم کے ذریعے حق واضح ہو جانے کے بعد اہل کتاب (بھی) ایمان نہیں لائے (تو یہ ضد کی وجہ سے) حالانکہ ان کو سابقہ کتابوں میں بھی اسی سچے دین کی پیروی کا حکم دیا گیا تھا (پس ایمان نہ لا کر انھوں نے اپنی کتب کی بھی مخالفت کی)۔ان اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جو کافر ہیں وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اور یہ بدترین خلائق ہیں۔جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ بہترین خلائق ہیں،ان کو نعمتوں سے بھری جنتیں نصیب ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالٰی کی رضا بھی حاصل ہو گی۔اور اس دخولِ جنت اور حصولِ رضا کا مدار خشیت الٰہی پر ہے۔

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جو لوگ کافر ہیں

مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ

یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے

حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۝

جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝

(یعنی) اللہ کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں

فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

جس میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ

اور اہل کتاب جو متفرق (ومختلف) ہوئے ہیں

اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۝

تو دلیل واضح کے آنے کے بعد (ہوئے ہیں)

وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ

اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں

مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ

اخلاصِ عمل کے ساتھ (اور) یک سو ہر کر

وَ يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں

وَ ذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ۝

اور یہی سچا دین ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ، فَمَنْ أَخَذَہُ بِحَقِّہٖ بُورِكَ لَہٗ فِیْہِ، وَمَنْ أَخَذَہٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ یُبَارَكْ لَہٗ فِیہِ، وَکَانَ کَالَّذِی یَأْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ،

وَ الْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی

بے شک یہ مال تروتازہ اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے حق کے مطابق حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے، اور جو شخص حرص اور ہوس سے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوتی اور وہ اس آدمی کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

اور اوپر والا (یعنی خرچ کرنے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔

(متفق علیہ، عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ)

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر للامام جلال الدین السیوطی رحمه الله

اکیسویں صدی میں اسلام کے اپنے شاندار مستقبل کی طرف سفر میں

سقوطِ ڈھاکہ، آلِ سعود کی حکومت اور ___ فکرِ اقبال کے فروغ کے لیے

عالمی رابطۂ ادبِ اسلامی پاکستان کا علامہ اقبال سیمینار

انجینئر مختار فاروقی

O علامہ اقبال کا آفاقی شاعر ہونا امت مسلمہ کے لئے اعزاز ہے۔ علامہ اقبال کی فکر کی آفاقیت اور پذیرائی کوئی کسبی چیز نہیں بلکہ الہامی اور خداداد ہے۔ علامہ اقبال نے خود بھی ایف سی کالج لاہور کے پروفیسر یونگ سے فرمایا تھا کہ میں حضرت محمد ﷺ کی کتاب قرآن مجید کے متن کو وحی کیوں نہ مانوں مجھ پر تو میرے اشعار بھی بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے اترتے ہیں۔

O علامہ اقبال تاریخ کے اس نازک موڑ پر اُمت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے کھڑے ہوئے جب مغربی استعمار بالغ ہوکر روئے ارضی پر اپنے خونی، متشددانہ اور استحصالی پنجے گاڑ چکا تھا۔ مسلمانوں میں خلافت کا ادارہ علامتی رہ گیا تھا جو کمزور ہوکر لاغر اور مردِ بیمار کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ دنیا میں مغربی صنعتی اور سائنسی ترقی کے جلو میں عسکری برتری اور سودی معاشی نظام نے اقوامِ عالم کو جکڑ لیا تھا۔ اُمت مسلمہ پہلی جنگ عظیم 1914ء کے بعد مکمل طور پر ابلیسی مغربی صہیونی استعمار کی غلامی میں جا چکی تھی کہ 1924ء میں سلطنت عثمانیہ کا اقتدار ختم ہو گیا اور خلافت اسلامیہ کا سورج تیرہ صدیوں کی ضیا پاشیوں کے بعد غروب ہو گیا۔

علامہ اقبال کا فکر قرآن وحدیث کی ٹھیٹھ بنیادوں پر خلافت راشدہ کے نظائر کی روشنی میں مغربی علوم کے جلو میں آگے بڑھنے کا پیغام تھا اور گزشتہ ایک صدی سے منفرد اور یکتا پیغام ہے جو اپنے مصداق اسلامی انقلاب کا متلاشی ہے۔ یہ پیغام تمام عالم اسلام کے لیے ہے اور بلالحاظ

رنگ ونسل وزبان، عرب وعجم اور مشرق ومغرب کے تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ پیغام کو سمجھنے میں اُمت مسلمہ کو ایک طویل عرصہ لگا ہے۔

O علامہ اقبال کے کلام کی آفاقیت اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے گہری محبت (عشق) کی مرہونِ منّت ہے انہوں نے خود ''عرضِ حال مصنف بحضور رحمت للعالمین ﷺ'' میں کہا:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآن مضمر است

پردۂ ناموس فکرم چاک کن این خیاباں را ز خارم پاک کن

حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کی تعلیمات آفاقی وابدی ہیں لہٰذا اس فکر سے خلوص سے جڑنے والے کا بھی گردشِ لیل ونہار سے اوپر اُٹھ جانا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

O علامہ اقبال کا کلام مغربی ابلیسی اِمامانِ سیاست کے لئے موت کا پیغام تھا۔ لہٰذا مغرب نے بڑی تگ ودو کر کے علامہ اقبال کے تذکرے کو دبایا ہے اور خود پاکستان کے نظامِ تعلیم اور مسلم لیگ کے ذخیرہ الفاظ تک سے نکال دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں علامہ اقبال کے وژن (VISION) کے متشکل ہونے کا وقت اب آیا ہے قدرت نے اُسے سنبھال کر رکھا ہے اب ضرورت ہے کہ مغربی عالمی سرمایہ داری صہیونی نظام زمین بوس ہو تو دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہوگی اور عصر حاضر میں اسلام کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب فکر اقبال کی طرف متوجہ ہونا ہی ہے۔

O علامہ اقبال کی اسلامی انقلابی فکر اُن کی زندگی ہی میں جنوبی ایشیا سے نکل کر ایران یورپ اور امریکہ پہنچ گئی تھی۔ علامہ اقبال کی کتاب 'اسرارخودی ورموز بےخودی' کا ترجمہ ان کے اپنے ایک استاد پروفیسر نکلسن آف یوکے نے 1929ء میں کیا تھا اور اس کا تذکرہ جلد ہی چہار دانگِ عالم میں پھیلا، حتیٰ کہ امریکہ تک پہنچ گیا۔ (یاد رہے کہ امریکہ میں فروغ پذیر لبرل ازم اور آزادی (FREEDOM) کا مطلب ہر بندھن اور مذہبی واخلاقی قانون سے آزادی ہے جس کا نشان مجسمۂ آزادی نیویارک کے باہر سمندری جزیرہ میں 1865ء میں تجویز ہو کر فرانس نے امریکہ کو تحفہ دیا تھا اور 1886ء میں مکمل ہو چکا تھا اور 1930ء تک امریکہ میں تمام اخلاقی اقدار کی بنیادیں زمین بوس ہو چکی تھیں، پروفیسر نکلسن کی کتاب پر ایک امریکی دانشور کا تبصرہ پڑھنے میں

آیا تھا کہ مقام حیرت ہے امریکہ ترقی میں کہاں پہنچ گیا اور اہل مشرق ابھی روح، اخلاق اور مابعدالطبعیات پر بحث کررہے ہیں۔)

O مغربی افکاراورامریکی لبرل ازم کے حیوانی نظریات کے پختہ ہونے پر اب انسان کو دوبارہ روح، اخلاق، اقدار اور مذہب کی طرف لوٹنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو فکراقبال پون صدی کے بعد دوبارہ زندہ ہورہاہے اور ان شاءاللہ والا پہلے سے زیادہ نکھر کر سامنے آئے گا۔کسی نے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ شعر کہا تھا جواب جلد ہی علامہ اقبال پرصادق آنے والا ہے۔

ذرا انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی کہ ہمارے ہیں 'اقبال'

O یہ بات بڑی امیدافزا ہے کہ علامہ اقبال کا تذکرہ 'صورت خورشید اِدھرڈوبا اور اُدھر نکلا' کا مصداق کامل بن کر سامنے آیا ہے۔ پاکستان میں وفاقی سطح پر بڑے دھڑلّے سے اور فخریہ یومِ اقبال (پیدائش 9 نومبر 1877ء) کی 9 نومبر کی تعطیل ختم کردی گئی۔ یہ فرمائش مغربی آقاؤں اور تعلیمی اصلاحات کے ضمن میں امریکی گرانٹ کا حصہ ہی ہوسکتی ہے مگر قدرت نے عالمی رابطہ ادب اسلامی کی پاکستان شاخ کے ذریعے فکرِ اقبال کے احیاء کے لئے سامان پیدا کر دیا اور 29-30 اکتوبر 2016ء کو ایوانِ اقبال لاہور میں تمام عالم اسلام سے اہل فکر ونظر اور دانش ور حضرات جمع ہوئے (جس میں عالم عرب کے اربابِ نظر نمایاں تھے) اور انہوں نے 'فکراقبال' کو عالمی اثاثہ اور اُمتِ مسلمہ کی مشترکہ متاع قرار دیا اور مزید خوش کُن امر یہ ہے کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے 'اقبالی' حضرات کے حلقہ اثر سے توسیع دے کر دینی مدارس کی شخصیات کے نام کردی۔ سچ ہے کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

O ہمارے نزدیک فکرقبال کا پہلا پھل جنوبی ایشیا میں دوقومی نظریہ کا اُبھرنا تھا دوسرا حاصل دو پاکستانوں کا قیام تھا ایک مشرقی پاکستان کہلاتا تھا اور ایک مغربی پاکستان تیسرا انقد نتیجہ 1949ء کی قراردادِ مقاصد تھی۔ مگر افسوس کہ عالمی صہیونی سازشوں نے پاکستان کو آج تک چین نہیں لینے

دیا اور ہر طرح سے مفلوج بنا کر رکھنے کی پالیسی پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے اور ہمارے حکمران ان سازشوں کے مہرے بنے ہوئے ہیں۔

فکرِ اقبال سے انحراف ہوا تو مشرقی پاکستان 1971ء میں قدرت نے ہم سے الگ کر دیا۔ اب وہ حصہ برادر ملک بنگلہ دیش کہلاتا ہے اور مغربی پاکستان اب پاکستان کہلاتا ہے۔ اور یہ پاکستان بھی ہمارے مغربی آقاؤں (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین ہند کو ایک آنکھ نہیں بھاتا کہ اس کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ان عالمی سازشوں کا توڑ کرنے اور ردّ کرنے کے لیے عالمی سطح پر فکرِ اقبال کے احیاء کی ضرورت ہے۔

O عالمی رابطہ ادبِ اسلامی کی پاکستان شاخ کے فکرِ اقبال کی عظمت و اہمیت اور فروغ کے اہم مقدس فریضہ کی طرف متوجّہ ہونے سے یہ امّید بندھتی ہے کہ افغانستان میں بھی آئندہ اسلامی حکومت فکرِ اقبال سے ضرور استفادہ کرے گی کہ علامہ اقبال نے 1933ء نے بنفس نفیس افغانستان کا سفر اختیار کر کے گویا وہاں اسلام کے انقلابی فکر کا بیج بویا تھا اور خوش قسمتی سے عالمی رابطہ ادبِ اسلامی کے اہم رکن جناب سلمان ندوی صاحب کے والد گرامی اس سفر افغانستان میں علامہ اقبال کے ہم رکاب تھے۔

اسی طرح عالمی رابطہ ادبِ اسلامی کے جدہ میں مرکز ہونے سے یہ موہوم سی اُمّید بھی دل میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش آلِ سعود بھی فکرِ اقبال کی طرف متوجہ ہوں۔ آلِ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ اور آلِ سعود کے درمیان ریاستی معاملات کی تقسیم کے نظریہ (DOCTORINE) کی مشابہت مغرب میں اٹھارھویں صدی میں کلیسا اور ریاست کی علیحدگی سے ہے (مغرب میں اس تقسیم سے سیکولرازم اور لبرل ازم سے جنم لیا) اور اس نظریہ کی تاریخِ اسلام میں کوئی نظیر بھی نہیں ملتی پھر اس نظریہ (DOCTORINE) کے تحت ایک خوشحال ریاست ایک صدی کے اقتدار میں بھی دنیا کے سامنے اسلامی ریاست کا عصر حاضر میں قابل رشک نہ سہی، قابل قبول نمونہ بھی پیش نہیں کر سکی۔ سب سے اہم بات یہ کہ فکرِ اقبال روحِ عصر کے تمام تقاضوں کا مسکت جواب ہے اور مستقبل کا فکرِ اسلامی ـــــ فکرِ اقبال ہی ہے۔

ہمارے نزدیک اگر سعودی عرب کا قابل احترام حکمران خاندان فکرِ اقبال کو اپنا لے

تو عالم عرب میں ان کے اقتدار کو بارگاہِ خداندی سے ایک نئی زندگی FRESH LEASE مل سکتی ہے۔ اہل مصر کے الاخوان المسلمون تک بھی فکر اقبال کا صرف سیاسی پہلو ہی سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کی تصنیفات کے ذریعے پہنچا ہے اب وقت ہے تمام عالم عرب میں فکر اقبال پوری آب وتاب کے ساتھ آشکار ہو تا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عظیم کام کو عصر حاضر میں قرآن مجید کی بنیاد پر اور روحِ عصر کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھا کر کامیابی سے ہمکنار کر دیا جائے۔

پاکستان میں مسلم لیگ نے تو گویا علامہ اقبال اور ان کی فکر سے علانیہ علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اس پر صرف مرثیے ہی کہے جا سکتے ہیں۔ اقبال سے بے وفائی کا یہ اقدام مسلم لیگ (ن) کو کتنے سال مزید اقتدار دلا دے گا کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔

O علامہ اقبال کا فکری احسان ہمارے ملک کی معروف مذہبی سیاسی جماعت، جماعت اسلامی پر بھی ہے۔ اگر یہ عظیم جماعت فکر اقبال کو اپنا لے یعنی سیاسی سطح پر نظام خلافت کے قیام کا نعرہ اپنا لے (جو علامہ اقبال جوابِ شکوہ 1913ء کی آخری اشعار میں واشگاف الفاظ میں کہہ چکے ہیں) تو ہمارے نزدیک اس جماعت کو بھی بے مثال عوامی پذیرائی مل سکتی ہے آزمائش شرط ہے۔ درحقیقت جماعت اسلامی کا فکر اقبال کو اپنانا اور نظام خلافت کی اصطلاح اختیار کرنا کوئی ہزیمت اور بزدلی کی بات نہیں ہوگی بلکہ علامہ اقبال کے سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کو حیدر آباد سے پنجاب لا کر آباد کرنے کے احسان کا صرف اعتراف ہوگا۔

ے آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ع وَ مَا عِندِیْ سِوَا ذَاکَ الْمَقَال

علامہ اقبالؒ کی شخصیت
کے تخلیقی عناصر

مولاناسیّدابوالحسن علی ندوی
کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' سے انتخاب

اقبال کی شخصیت کے وہ تخلیقی عناصر جس نے اقبال میں ایک مخصوص قسم کی گونا گونی رنگارنگی پیدا کی اور جس نے اقبال کو اس کے ہم عصروں سے زیادہ دل آویز، باعث کشش اور جاذب نظر بنادیا چند ایسے عناصر ہیں جن کا تعلق اقبال کی علمی و ادبی اور تعلیمی کوششوں سے بہت ہی کم ہے، اقبال کی شخصیت میں جو جامعیت، بلندی فکر و خیال، سوز، درد، کشش اور جاذبیت نظر آتی ہے، ان کا تعلق اقبال کی زندگی کے اس رُخ سے ہے جسے ہم یقین و ایمان کہتے ہیں۔

دراصل اقبال کی شخصیت کے بنانے، سنوارنے اور پروان چڑھانے میں عصر حاضر کے صرف ان تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا ہاتھ نہیں ہے، جن میں کہ اقبال نے داخل ہوکر علومِ عصریہ اور مغربی تعلیم حاصل کی، گرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ اقبال علومِ جدیدہ اور مغربی تعلیم کا حصول ہندوستان، انگلستان اور جرمنی میں ماہر اساتذہ سے کرتے رہے، اور وہاں کے علم وفن کے چشموں سے سیراب ہوتے رہے، یہاں تک کہ وہ عالم اسلامی میں مغربی علوم وافکار اور تہذیب وتمدّن کے ماہرین میں منفرد شخصیت کے مالک ہوگئے، مغربی فلسفہ واجتماع، اخلاق اور سیاست و معیشت میں یورپ کے ایک متخصّص کی حیثیت حاصل کی اور علوم جدید وقدیم میں بڑی گہری نگاہ حاصل کی، لیکن اگر اقبال اس مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتے اور موجودہ تعلیمی اداروں کے پھلوں سے استفادہ کے بعد مطمئن ہوکر صرف اس حلاوت ومزہ سے لطف اندوز ہوتے رہتے تو پھر آج وہ ہمارا

موضوعِ گفتگو نہیں بن سکتے تھے، اور نہ ادبِ اسلامی اور تاریخ ادب اسلامی ان کے شعر و ادب کے نغموں سے گونجتی رہتیں اور نہ علمی صدارت، فکری زعامت اور اسلامی ذہن ان کے لیے اپنا دامن وسیع کرتا اور نہ انھیں اس بلند مقام پر بٹھا کر فخر محسوس کرتا، اس کے لیے بڑی باریک اور بلند شرطیں ہیں، کوئی شخص محض درس و تدریس علوم میں تنوع اور کثرتِ تالیف و تصنیف کی وجہ سے اس مقامِ بلند تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ اقبال اگر ان تعلیمی اداروں سے استفادہ کے بعد مطمئن ہو جاتے اور انھیں علوم و فنون کی علمی موشگافیوں میں اپنی دلچسپیوں کو محدود رکھتے تو زیادہ سے زیادہ فلسفہ، معاشیات، ادب اور تاریخ میں ایک ماہر استاد اور پروفیسر کی جگہ پاتے یا ایک بڑے پایہ کے مصنف، علومِ عصریہ کے ماہر فن، صاحب اسلوب ادیب یا ایک اچھے شاعر ہوتے، اور بس! یا پھر ایک کامیاب بیرسٹر، ایک اچھے جج یا حکومت کے ایک اچھے وزیر بنائے جاتے، لیکن آپ یقین کیجیے اگر اقبال ان میں سے کچھ بھی ہوتے تو زمانہ انھیں ویسے ہی بھلا دیتا جس طرح دنیا کے ان بڑے بڑے علماء، ادباء، شعراء، مصنّفین اور حکومتوں کے وزراء کو آج زمانے نے گوشۂ عزلت و گمنامی میں ڈال رکھا ہے، اور آج کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے؟ اور کیا تھے؟ لیکن اقبال کی ذہانت و عبقریت، ان کا زندۂ جاوید پیغام اور ان کی ذہنوں اور دلوں کو تسخیر کرنے کی طاقت و کشش ـــــــ اِن تمام فضائل اور بلندیوں کا سبب ان دنیاوی تعلیمی اداروں سے جدا، ایک دوسرا تعلیمی ادارہ ہے جس میں کہ اقبال نے تعلیم و تربیت حاصل کی، بڑھے اور پروان چڑھے۔

میرا خیال ہے کہ آپ میں سے اکثر کا ذہن اس مخصوص 'ادارہ' کی تلاش و جستجو میں پریشان ہوگا اور آپ اس کے جاننے کے لیے بے چین ہوں گے کہ آخر وہ کون سا ادارہ ہے، جس نے اس 'عظیم شاعر' کو پیدا کیا؟ اور وہ کون سے علوم ہیں جو اس میں پڑھائے جاتے ہیں؟ کس زبان میں وہاں تعلیم ہوتی ہے؟ اور کیسے معلّم وہاں تعلیم دیتے ہیں؟ بلاشبہ اس میں اعلیٰ درجے کے نگران اور مربی ہوں گے، جو ایسی ہی عظیم شخصیتیں پیدا کرتے ہیں، (جیسے کہ اقبال تھے) مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اس کے وجود اور محل و مقام سے واقف ہو جائیں تو پھر ضرور اس میں داخلہ کی کوشش کریں گے اور اپنی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے آپ کو اس بے نظیر و بے مثال ادارہ کے سپرد کر دیں گے۔

وہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس نے اس میں تعلیم و تربیت حاصل کی، اس کی ناکامی کا

سوال نہیں، جو وہاں سے نکلا وہ ضائع نہیں ہوسکتا، وہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ جہاں سے صرف ائمہ فن، مجتہدین فکر، واضعین علوم، قائدین فکر واصلاح اور مجددین اُمت ہی پیدا ہوتے ہیں، وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس کے سمجھنے میں عام مدارس و یونیورسٹیوں کے طلباء واساتذہ مشغول رہتے ہیں، ان کی لکھی ہوئی چیزیں درس کے طور پر پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، ان کی تصنیفوں کی شرحیں لکھی جاتی ہیں، ان کے اجمال کی تفصیل کی جاتی ہے، ان کے ثابت شدہ نظریات کی تائید وتشریح ہوتی ہے، ان کے ایک ایک لفظ پر کتابیں لکھی جاتی ہیں اور ان کی ایک ایک کتاب سے پورا پورا کتاب خانہ تیار ہوجاتا ہے، وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں تاریخ پڑھائی نہیں جاتی بلکہ تاریخ بنائی جاتی ہے، وہاں افکار ونظریات کی تشریح وتوضیح نہیں ہوتی بلکہ افکار ونظریات وضع کیے جاتے ہیں، آثار و نشانات کے کھوج نہیں لگائے جاتے بلکہ وہاں آثار ونشانات پیدا ہوتے ہیں، یہ ادارہ اور مدرسہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں پایا جاتا ہے، یہ دراصل ایک داخلی مدرسہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور ہر انسان اسے اٹھائے ہر مقام پر لیے پھرتا ہے وہ دل کا مدرسہ اور ضمیر و وجدان کا دبستان ہے، وہ ایک ایسا مدرسہ ہے جہاں روحانی پرداخت اور آلہی تربیت ہوتی ہے۔

علامہ اقبال نے اس ادارے سے اسی طرح تکمیل کی جس طرح دوسرے بہت سے وہبی انسان اس عظیم ادارے سے تعلیم وتربیت کے بعد نکلے، اقبال کی سیرت وشخصیت، اس کا علم و فضل اور اخلاق، یہ سب کا سب مرہونِ منّت ہے اس قلبی دبستان کا جس میں کہ اقبال نے برسوں زانوِتلمذتہ کیا ہے۔ اقبال کے کلام کا مطالعہ اس حقیقت کی اچھی نشاندہی کرتا ہے کہ خارجی مدرسہ کی بہ نسبت داخلی مدرسہ نے اس کی زندگی میں ایک دردوسوز، تب وتاب اور ایک نئی قوت وتوانائی بخشی اگر وہ اپنے داخلی مدرسہ میں تعلیم وتربیت حاصل نہ کرتا تو پھر نہ اس کی یہ جاذبِ نظر شخصیت ہی ظاہر ہوتی اور نہ اس کا شعور ووجدان اس قدر شعلۂ جانسوز نظر آتا اور نہ اس کا آتشیں پیام قلب ونظر کے لیے سوزِ جاوداں ثابت ہوتا۔ اقبال کے کلام میں اس ادارہ کے اساتذہ ومعلّمین اور مربین کا ذکر و اعتراف بہت ہی کثرت سے ملتا ہے۔

وہ تخلیقی عناصر جنھوں نے اقبال کی شخصیت کو بنایا، بڑھایا اور پروان چڑھایا وہ دراصل اقبال کو اپنے داخلی مدرسہ میں حاصل ہوئے، یہ پانچ تخلیقی عناصر ہیں جنھوں نے اقبال کی شخصیت

کو ’’زندۂ جاوید‘‘ بنادیا۔

ان میں سے پہلا عنصر جو اقبال کو اپنے داخلی مدرسہ میں داخلہ کے بعد اوّل ہی دن حاصل ہوا وہ اس کا ’’ایمان ویقین‘‘ ہے، یہی یقین اقبال کا سب سے پہلا مربی اور مرشد ہے اور یہی اس کی طاقت وقوت اور حکمت وفراست کا منبع اور سرچشمہ ہے، لیکن اقبال کا وہ یقین وایمان اس خشک جامد ایمان کی طرح نہیں، جو بے جان تصدیق یا محض جامد عقیدہ ہے، بلکہ اقبال کا ’’یقین‘‘ عقیدہ ومحبت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جو اس کے قلب ووجدان، اس کی عقل وفکر، اس کے ارادہ وتصرف اس کی دوستی ودشمنی غرض یہ کہ اس کی ساری زندگی پر چھایا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اقبال اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں نہایت راسخ الایمان تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت وشغف اور ان کا اخلاص انتہا درجہ کا تھا، اس لیے ان کے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا زندۂ جاوید دین ہے کہ اس کے بغیر انسانیت فلاح وسعادت کے بامِ عروج تک پہنچ ہی نہیں سکتی اور نبی کریم ﷺ رشد وہدایت کے آخری مینار، نبوت ورسالت کے خاتم اور مولائے کل ہیں:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

اس دورِ مادیت اور مغربی تہذیب وتمدن کی ظاہری چمک ودمک سے اقبال کی آنکھیں خیرہ نہ ہوسکیں، حالانکہ اقبال نے جلوۂ دانش فرنگ میں زندگی کے طویل ایام گزارے اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اقبال کی وہی والہانہ محبت، جذبہ عشق اور روحانی وابستگی تھی اور بلاشبہ ایک حب صادق اور عشق حقیقی ہی قلب ونظر کے لیے ایک اچھا محافظ اور پاسبان بن سکتا ہے

ؔ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ؔ عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

ؔ رہے ہیں، اور ہیں فرعوں میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

علامہ اقبال نے اپنی کتاب 'اسرار خودی' میں ملت اسلامیہ کی زندگی کی بنیادوں اور ان ستونوں کے ذکر کے سلسلہ میں جس پر حیاتِ ملت اسلامیہ موقوف ہے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے روحانی تعلق، دائمی وابستگی اور اپنی فدا کارانہ محبت کا بھی ذکر کیا ہے، جب نبی ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا شعری وجدان جوش مارنے لگتا ہے اور نعتیہ اشعار ابلنے لگتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسا محبت وعقیدت کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند اشعار پیش خدمت ہیں جن سے اقبال کے محبت بھرے جذبات کا قدرے اندازہ ہوگا:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است — آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است
بوریا ممنون خوابِ راحتش — تاجِ کسریٰ زیرپائے اُمّتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محرومِ نوم — تا بہ تخت خسروی خوابید قوم
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز — دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمین تیغ اُو — قاطع نسل سلاطیں تیغ اُو
در جہاں آئین نو آغاز کرد — مسند اقوام پیشیں در نورد
از کلید دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطن اُم گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بریک خواں نشست
در مصافے پیش آں گردوں سریر — دختر سردار طےؔ آمد اسیر
پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود — گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی بے پردہ دید — چادر خود پیش روئے اُو کشید
آں کہ بر اعداء درِ رحمت کشاد — مکہ را پیغام لَا تَثْرِیْبَ داد
ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم — چوں نگہ نورد و چشمیم دیکیم
از حجاز و چین و ایرانیم ما — شبنم یک صبح خندانیم ما

مست چشم ساقی بطحا ستیم　　در جہاں مثل مے و مینا ستیم
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت　　آتش او ایں خس و خاشاک سوخت
شورِ عشقش در نے خاموش من　　می تپد صد نغمہ در آغوشِ من
من چہ گویم از تولائیش کہ چیست　　خشک چوبے در فراقِ او گریست
ہستی مسلم تجلی گاہِ اُو　　طور ہا بالد ز گردِ راہِ اُو

جوں جوں زندگی کے دن گزرتے گئے اقبال کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت والفت بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ آخری عمر میں جب بھی ان کی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا یا مدینہ منورہ کا تذکرہ ہوتا تو اقبال بے قرار ہو جاتے، آنکھیں پُر آب ہو جاتیں یہاں تک کہ آنسو رواں ہو جاتے، یہی وہ گہری محبت تھی جو ان کی زبان سے الہامی شعروں کو جاری کر دیتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مکن رسوا حضور خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم ما را
حسابِ من ز چشم او نہاں گیر

یہ شعر محبت وعقیدت کا کتنا اچھا مظہر ہے۔

دراصل علامہ اقبال کا یہی وہ ایمانِ کامل اور حب صادق تھی جس نے اقبال کے کلام میں یہ جوش، یہ ولولہ، یہ سوز گداز پیدا کر دیا۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ دراصل رِقت انگیز شعر، عمیق فکر، روشن حکمت، بلند معنویت، نمایاں شجاعت، نادر شخصیت اور عبقریت کا حقیقی منبع وسرچشمہ محبت ویقین ہی ہے اور تاریخ عالم میں جو کچھ بھی انسانی کمالات یا دائمی آثار ونشانات نظر آتے ہیں وہ سب کے سب اسی محبت ویقین کے مرہونِ منّت ہیں، اگر کوئی شخصیت یقین ومحبت کے جذبہ سے خالی ہو تو پھر وہ صرف گوشت و پوست کی صورت ہے اور اگر پوری اُمت اس سے خالی ہے تو پھر اس کی وقعت بکریوں اور بھیڑوں کے گلے سے زیادہ نہیں، اور اسی طرح اگر کسی کلام میں یقین ومحبت کی روح کارفرما نہیں ہے تو پھر وہ ایک مقفّیٰ اور موزوں کلام تو ہو سکتا ہے، لیکن ایک زندہ جاوید کلام نہیں بن سکتا اور جب کوئی کتاب اس روح سے خالی ہو تو اس کتاب کی حیثیت مجموعۂ اوراق سے زیادہ نہیں ہوگی اور اسی طرح اگر کسی عبادت میں

محبت ویقین کا جذبہ شامل نہیں ہے تو پھر وہ ایک بے روح ڈھانچہ ہے، غرضیکہ پوری زندگی اگر محبت ویقین کے جذبہ سے خالی ہے تو پھر وہ زندگی، زندگی نہیں، بلکہ موت ہے اور پھر ایسی زندگی کیا؟ جس میں طبیعتیں مردہ وافسردہ ہوں، نظر ونثر کے سرچشمے خشک ہوں اور زندگی کے شعلے بجھ چکے ہوں، ایسی حالت میں یقین کامل اور حب صادق ہی حیاتِ انسانی میں جلا پیدا کرتی ہے اور انسانی زندگی نور ورنگ سے معمور ہو جاتی ہے، پھر شستہ، پرسوز وپردرد، روح نواز اور جاں بخش کلام سننے میں آتے ہیں، خارقِ عادت شجاعت وقوت دیکھنے میں آتی ہے اور علم وادب کے نقوش بھی زندۂ جاوید بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہی محبت اگر پانی، مٹی اور اینٹ پتھر میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی زندۂ جاوید بنا دیتی ہے، ہمارے سامنے اس کی روشن مثال مسجد قرطبہ، قصرزہرا اور تاج محل ہیں، سچ تو یہ ہے کہ محبت ویقین کے بغیر ادب وفن مردہ وافسردہ و ناتمام ہیں۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

بڑی غلط فہمی میں وہ لوگ مبتلا ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اہل علم حضرات اپنی قوتِ علم، کثرتِ معلومات اور ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں یا ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور اسی طرح شعراء کو ان کی فطری قوتِ شاعری، لفظوں کا حسن انتخاب، معانی کی بلاغت انھیں ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے اور مصلحین وقت اور قائدین ملت کی بلندی وپستی موقوف ہے ان کی ذہانت کی تیزی، خطابت کی بلندی، سیاسی سوجھ بوجھ اور حکمت عملی پر! حالانکہ ایسا نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی فضیلت و بلندی کا دارو مدار محبت اخلاص پر ہے، ان کی سچی محبت اور مقصد سے اخلاصِ کامل ہی ان کی عظمت و بزرگی کا سبب ہے، اس لیے کہ اس کا مقصد وموضوع اور غرض وغایت اس کی روح میں سرایت کر جاتی ہے، قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور فکر عمل پر چھا جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی ذاتی خواہش مغلوب اور شخصیت تحلیل ہو جاتی ہے، اب وہ جب کوئی بات کرتا ہے تو مقصد کی زبان سے کرتا ہے جب کچھ لکھتا ہے تو مقصد کے قلم سے لکھتا ہے، غرضیکہ اس کے فکر وخیال، دل ودماغ اور اس کی پوری زندگی پر اس کا مقصد چھا جاتا ہے۔

ایک عظیم گناہ جو اس جدید تمدن کا پیدا کردہ ہے وہ ہے مادہ پرستی اور پھر اس سے نفع پسندی، جنسی محبت اور نفسانی خواہش! جو درحقیقت جدید عصری مادی تعلیم کا ثمرہ ہے، جس نے ہماری نئی نسلوں کو تباہ کر رکھا ہے اور آج حال یہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان کی حرارت، حب صادق کی تپش اور یقین کے سوز سے خالی ہیں اور یہ عالم نو ایک ایسی متحرک شے بن کر رہ گیا ہے کہ جس میں نہ کوئی زندگی ہے اور نہ کوئی روح، نہ شعور و وجدان ہے نہ مسرت وغم کا احساس! اس کی مثال اس جامد شے کی طرح ہے جو کسی جابر و قاہر شخص کے دست تصرف میں ہو، وہ جس طرح چاہے اسے حرکت دے اور استعمال کرے۔

جب آپ علامہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اقبال کا کلام ہمارے جانے پہچانے شعراء سے بہت کچھ مختلف ہے۔ علامہ اقبال کا کلام ہمارے شعور واحساس، قلب و وجدان اور اعصاب میں حرکت وحرارت، سوز و گداز، درد وتپش پیدا کرتا ہے، اور پھر ایک ایسا شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتا ہے جس کی گرمی سے مادیت کی زنجیریں پگل جاتی ہیں، فاسد معاشرہ اور باطل قدروں کے ڈھیر جل کر فنا ہو جاتے ہیں، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کس قدر طاقت ور ایمان اور درد و پرسوز سینہ اور بے چین روح رکھتا ہے۔ قابل صد ستائش ہے وہ دوسرا مدرسہ جس نے اتنی اچھی تربیت کی اور ایسی قابل قدر شخصیت تیار کی۔

اقبال کی شخصیت کو بنانے والا دوسرا عنصر وہ ہے جو آج ہر مسلمان گھر میں موجود ہے مگر افسوس کہ آج خود مسلمان اس کی روشنی سے محروم، اس کے علم وحکمت سے بے بہرہ ہیں، میری مراد اس سے قرآن مجید ہے۔ اقبال کی زندگی پر یہ عظیم کتاب جس قدر......اثر انداز ہوئی ہے، اتنا نہ وہ کسی شخصیت سے متأثر ہوئے ہیں اور نہ کسی کتاب نے ان پر ایسا اثر ڈالا ہے۔ اقبال کا ایمان چونکہ 'نومسلم' کا سا ہے، خاندانی وراثت کے طور پر انھیں نہیں ملا ہے اس لیے ان کے اندر نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں قرآن سے شغف اور شعور واحساس کے ساتھ مطالعہ کا ذوق بہت زیادہ ہے، اقبال کا قرآن پڑھنا عام لوگوں کے پڑھنے سے بہت ہی مختلف رہا ہے، جیسا کہ خود اقبال نے اپنے قرآن مجید پڑھنے کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کا یہ ہمیشہ کا دستور تھا کہ روزانہ بعد نماز صبح قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، اقبال کے والد جب انہیں دیکھتے تو

فرماتے: کیا کر رہے ہو؟ اقبال جواب دیتے: قرآن پڑھ رہا ہوں۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر ایک دن اقبال نے پوچھا، ابا جان! آپ مجھ سے روزانہ پوچھتے ہیں اور میں ایک ہی جواب دیتا ہوں اور پھر آپ خاموش چلے جاتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم قرآن اس طرح پڑھا کرو کہ جیسے قرآن اسی وقت تم پر نازل ہورہا ہے، اس کے بعد سے اقبال نے قرآن برابر سمجھ کر پڑھنا شروع کیا اور اس طرح کہ گویا وہ واقعی ان پر نازل ہو رہا ہے۔ اپنے ایک شعر میں بھی وہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

علامہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور وفکر اور تدبر و تفکر کرتے گزاری، قرآن مجید پڑھتے، قرآن سوچتے، قرآن بولتے، قرآن مجید ان کی وہ محبوب کتاب تھی جس سے انھیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا، اس سے انہیں ایک نیا یقین، ایک نئی روشنی اور ایک نئی قوت وتوانائی حاصل ہوتی، جوں جوں ان کا مطالعہ قرآن بڑھتا گیا ان کے فکر میں بلندی اور ایمان میں زیادتی ہوتی گئی۔ اس لیے کہ قرآن ہی ایک ایسی زندۂ جاوید کتاب ہے جو انسان کو لدُنّی علم اور ابدی سعادت سے بہرہ ور کرتی ہے وہ ایک ایسی شاہ کلید ہے کہ حیات انسانی کے شعبوں میں سے جس شعبہ پر بھی اسے لگائیے، فوراً کھل جائے گا، وہ زندگی کا ایک واضح دستور اور ظلمتوں میں روشنی کا مینار ہے۔

تیسرا عنصر جس کا علامہ اقبال کی شخصیت کی تعمیر میں بڑا دخل ہے وہ عرفانِ نفس اور خودی ہے، علامہ اقبال نے عرفانِ ذات پر بہت زور دیا ہے انسانی شخصیت کی حقیقی تعمیر ان کے نزدیک منّت کش خودی ہے جب تک عرفان ذات نہ حاصل ہو، اس وقت تک زندگی میں نہ سوز و مستی ہے اور نہ جذب وشوق! اس سلسلہ میں اقبال کا یہ شعر ان کے فکر کی پوری ترجمانی کرتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن
من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی، جذب وشوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودا ، مکروفن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے‘ آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے ، نہ من تیرا نہ تن

ان کے کلام میں معنوی بلندی کے ساتھ ساتھ ،لفظوں کی بندش، ہم آہنگی، اتار چڑھاؤ روانی و تسلسل اور موسیقیت اس قدر زیادہ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

علامہ اقبال کو خودی کی تربیت اور عرفانِ نفس پر بڑا اعتماد تھا، ان کے نزدیک خودشناسی وخود آگاہی انسان کو اسرار شہنشاہی سکھلاتے ہیں۔ عطار ہوں یا رومی، رازی ہوں یا غزالی بغیر عرفانِ نفس کے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی عرفانِ نفس کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے اس رزق پر موت کو ترجیح دی جس رزق سے پرواز میں کوتاہی آتی ہو اور دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اقبال کے خیال میں زیادہ بہتر ہے جس کی فقیری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خو بو اور ان کا اسوہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ عرفانِ نفس اور عرفانِ ذات ہی کے حصول کے بعد انسان جرأت سے اس بات کا اظہار کر سکتا ہے کہ:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اقبال کا تصورِ خودی خود اقبال میں اس قدر رچ بس گیا کہ ان کی زندگی عرفانِ نفس کا زندہ نمونہ تھی، ان کی زندگی کے اوراق میں ان کی خودی، خودداری، خوداعتمادی کے نقوش بہت اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں، عرفانِ نفس ہی کے لیے دوسرں کو مخاطب کر کے وہ اپنے آپ کو کہتے ہیں:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی ، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے ، دل یا شکم!

بلاشبہ اقبال نے شکم کے مقابلے میں دل کو ترجیح دی اور دل ہی کو اختیار کیا۔

یہ عرفانِ نفس ہی کا کرشمہ تھا جس نے اقبال کو ہر قسم کی فکری گمراہی اور ادبی بے راہ روی سے محفوظ رکھا، حالانکہ یہی دونوں چیزیں ہمارے عام ادباء وشعراء اور مصنّفین کو ہر چراگاہ میں منہ مار لینے، ہر وادی میں بھٹکنے اور ہر موضوع پر لکھنے کے لیے آمادہ کرتی ہیں، خواہ وہ ان کے عقیدہ و خیال کے موافق ہو یا نہ ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک نہ اپنی شخصیت کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے پیغام سے واقف ہوتے ہیں، لیکن اقبال نے اوّل ہی دن سے اپنی ذات اور شخصیت کو اچھی طرح پہچانا، اپنی وہبی صلاحیتوں کا صحیح صحیح اندازہ کیا اور پھر اپنی فکری صلاحیتوں، شعری قوتوں کو مسلمانوں کی زندگی کے اُبھارنے ان میں روح وزندگی پیدا کرنے، اور یقین وایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو بھڑکانے میں صرف کیا اور ان میں قوت وحریت اور سیادت و قیادت کا احساس دلایا، اقبال ایک فطری اور وہبی شاعر تھے، اگر وہ شاعر نہ بننے کی کوشش کرتے تو کامیاب نہ ہوتے، شعر کہنے پر وہ مجبور تھے، ان کی شاعری رِستے ہوئے قلب، پُر جوش وپُر سوز دل، معانی کی معنویت اور الفاظ کی شوکت کی آئینہ دار تھی، وہ ایک قادر الکلام ماہر فن شاعر تھے، ان کے ہمعصر شعراء نہ صرف یہ کہ ان کی امامت اور کلام میں اعجاز کے قائل تھے بلکہ زبان، تراکیب، معانی افکار، جدتِ تشبیہ ہر چیز سے متأثر تھے، ان کی شاعری کو عظیم بنانے میں انگریزی اور جرمن شعر وادب اور فارسی شاعری کا بھی بڑا دخل ہے، لیکن ان سب باتوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علامہ اقبال کے ہم عصروں میں کوئی اچھا اور اونچا شاعر ہی نہ تھا، بلکہ اچھے سے اچھے اور اونچے سے اونچے ادیب وشاعر موجود تھے جو اپنے الفاظ کی فصاحت، معنی کی بلاغت، استعارہ و تشبیہ کی جدت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے لیکن جو چیز کہ اقبال کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیتی ہے وہ ہے ان کی شاعرانہ عظمت، ادبی قوت، فنی ذہانت، جبلی عبقریت اور ان سب کے ساتھ ساتھ اسلام کا پیغام!۔ اقبال نہ قومی شاعر تھے اور وطنی، اور نہ عام رومانی شاعروں کی طرح ان کی شاعری بھی شراب وشاہد کی مرہونِ منّت تھی، اور نہ ان کی شاعری نری حکمت وفلسفہ کی شاعری تھی، ان کے پاس اسلام کی دعوت اور قرآن کا پیغام تھا، جس طرح ہوا کے جھونکے پھولوں کی خوشبو پھیلاتے ہیں اور جس طرح اس زمانے میں برقی لہروں سے پیغامات کے پہنچانے کا کام لیا جاتا ہے اسی

طرح اقبال بھی اپنے اس پیغام کو شعر کی زبان میں کہتے تھے تا کہ ان کے پیغام کے لیے شعر، برقی لہروں کا کام دے، بلاشبہ اقبال کی شاعری نے خوابِ غفلت میں پڑی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا اور ان کے دلوں میں ایمان و یقین کی چنگاری پیدا کر دی، تو یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا کہ اقبال نے اپنے آپ کو پہچانا اپنی وہبی شخصیت وقوت کا صحیح اندازہ کیا اور ان کو اصل مقام پر استعمال کیا۔

وہ چوتھا عنصر جس نے علامہ اقبال کی شخصیت کو بنایا، پروان چڑھایا اور اس کی شاعری کو نت نئے معانی، افکار کی جولانی اور قوتِ تاثیر عطا کی، ان میں کتابوں کی درس و تدریس اور مطالعہ کے شوق و انہماک کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اقبال کی آہِ سحرگاہی اس کا اصل سرچشمہ ہے جب سارا عالم خواب غفلت میں پڑا سوتا رہتا، اس اخیر شب میں اقبال کا اُٹھنا اور اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا پھر گڑگڑانا اور رونا۔ یہی چیز تھی جو اس کی روح کو ایک نئی نشاط اس کے قلب کو ایک نئی روشنی اور اس کو ایک نئی فکری غذا عطا کرتی پھر وہ ہر دن اپنے دوستوں اور پڑھنے والوں کے سامنے ایک نیا شعر پیش کرتا، جو انسانوں کو ایک نئی قوت ایک نئی روشنی اور ایک نئی زندگی عطا کرتا۔

اقبال کے نزدیک آہ سحرگاہی زندگی کا بہت ہی عزیز سرمایہ ہے بڑے سے بڑے عالم و زاہد اور حکیم و مفکر اس سے مستغنی نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عطاؔر ہو رومؔی ہو رازؔی ہو غزاؔلی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی

اقبال علی الصباح اٹھنے کا بہت ہی اہتمام رکھتے تھے، سفر و حشر ہر مقام اور ہر کہیں ان کے لئے سحر خیزی ضروری ہے

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

اور صرف یہیں تک نہیں بلکہ اس کی تمنا بھی کرتے ہیں کہ خداوند مجھ سے تو جو چاہے چھین لے لیکن لذتِ آہِ سحرگاہی سے مجھے محروم نہ کر:

نہ چھین لذتِ آہِ سحرگہی مجھ سے
نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز

یہی وجہ تھی کہ وہ جوانوں میں اپنی اس آہ وسوز اور دردِ تپش کو دیکھنے کی تمنا کرتے تھے، اور دعائیں کرتے تھے کہ خداوندا یہ میرا سوزِ جگر اور میرا عشق ونظر آج کل کے مسلم نوجوانوں کو بخش دے:

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق مری نظر بخش دے

اسی بات کو ایک دوسری نظم میں اس طرح فرماتے ہیں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے   پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے   مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال کے دل سے نکلی ہوئی یہ دعائیں بے اثر نہیں گئیں اور آج سارے عالم اسلام میں خالص اسلامی فکر ونظر لیے نوجوانوں کی ایک نئی نسل ابھر رہی ہے

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

آخری مؤثر عنصر جس نے اقبالؒ کی شخصیت کی تخلیق میں اہم حصہ لیا ہے، وہ مولانا جلال الدین رومی کی ''مثنوی معنوی'' ہے، یہ کتاب مولانا رومی کی مشہور مثنوی ہے، جو فارسی زبان میں وجدانی تاثر اور اندرونی شدت کی بنا پر لکھی گئی ہے، دراصل یونانی فلسفہ عقلیات مولانا رومی کے دور میں جس طرح چھا چکا تھا اور کلامی مباحث خشک فلسفیانہ موشگافیاں مسلمانوں کے ذہنوں، دینی مدرسوں اور علمی اداروں میں جس طرح سرایت کر چکی تھیں اس سے ہٹ کر کوئی شخص سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اس صورتِ حال سے متأثر ہو کر مولانا روم نے مثنوی لکھنی شروع کی جو اپنے اندر قوت وحیات کے ساتھ ادبی بلندی، معانی کی جدت، حکیمانہ مثالوں اور نکتوں کے بیش بہا خزینے سمیٹے ہوئے، اس کتاب نے اس دور سے لے کر آج تک ہزاروں انسانوں کو متأثر کیا ہے ان کے قلب ونظر میں تبدیلی کی ہے۔ اسلامی کتب خانے میں اپنے انداز پر یہ ایک بے نظیر وبے مثال کتاب ہے، اس دورِ جدید میں جبکہ اقبالؒ کو یورپ کے مادّی وعقلی، بے روح و بے خدا افکار و خیالات سے سابقہ پڑا اور مادہ وروح کی کشمکش اپنے پورے عروج کے ساتھ سامنے آئی تو اس قلبی اضطراب اور فکری انتشار کے موقع پر اقبالؒ نے مولانا رومؒ کی مثنوی سے مدد لی۔ اس کشمکش میں

مولانا روم نے ان کو بہت کچھ سہارا دیا، یہاں تک کہ اقبال نے پیر روم کو اپنا کامل رہنما تسلیم کرلیا اور صاف صاف اعلان کردیا کہ عقل وخرد کی ساری گتھیاں جسے یورپ کی مادیت نے اورالجھا دیا ہے، ان کا حل صرف آتش رومی کے سوز میں پنہاں ہے اور میری نگاہِ فکر اسی فیض سے روشن ہے اور آج یہ اسی کا احسان ہے کہ میرے چھوٹے سے سبو میں فکر ونظر کا ایک بحر ذخار پوشیدہ ہے:

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا　　تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن　　اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

مولانا روم سے اپنی اس محبت وعقیدت کا اظہار اقبال نے بار بار کیا ہے اور انھیں ہمیشہ 'پیر روم' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

؎ صحبت پیر روم نے مجھ پہ کیا یہ راز فاش

لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک کلیم بکف

اقبال اس بیسویں صدی کے خالص صنعتی و مادی دور میں پھر کسی 'رومی' کے منتظر ہیں، ان کے نزدیک مادیت کا زنگ عشق کی بھٹی ہی میں صاف ہوسکتا ہے، اور اس کے لیے آتش رومی کی ضرورت ہے۔

؎ نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گل ایراں، وہی تبریز ہے ساقی

لیکن اقبال مایوس نہیں ہیں بلکہ اپنے کشت ویراں سے بہت ہی پُر اُمید ہیں

؎ نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے

ذرا نم ہو، تو یہ مٹی بہت زر خیز ہے ساقی

یہی وہ پانچ عناصر ہیں جنھوں نے اقبال کی شخصیت کی تخلیق کی، اور یہ عناصر دراصل اسی دوسرے مدرسہ کی فیض وتربیت کے نتائج ہیں جس نے اقبال کو مضبوط عقیدہ، قوی ایمان، سلیم فکر اور بلند پیغام عطا کیا اور جس نے اقبال کو ''اقبال'' بنایا۔

تحریک پاکستان میں اقبال کا کردار

ڈاکٹر محمد اسلم ضیا
(ریٹائرڈ پرنسپل غزالی کالج جھنگ)

دنیا علامہ اقبال کو شاعر اور فلسفی کی حیثیت سے زیادہ جانتی ہے مگر ایک سیاست دان کے طور پر کم کم پہچانتی ہے۔ عموماً شاعروں کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ وہ دنیائے تخیل میں کھوئے رہنے کی وجہ سے میدانِ عمل کے مرد ہی نہیں ہوتے مگر اقبال ایسے شاعر نہ تھے آپ کی شاعری مقصدی ہے۔ آپ شاعر بھی تھے، مجاہد بھی اور سالار کارواں بھی۔

ع سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

حالی، شبلی اور اکبر الہ آبادی ان کے پیش رو تھے۔ دنیا کے کسی شاعر نے اپنی قوم کے حال و مستقبل پر اتنا اثر نہیں ڈالا جتنا اقبال نے۔ آپ کا قول ہے:

"سیاست کو قوم سے وہی نسبت ہے جو جسم سے جان کو۔ سیاست آزادی ہے، سیاست کے معنی ہیں حیاتِ ملّی کا شعور، سیاست مدعا ہے اس نصب العین کی جدوجہد سے جس سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے"۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے آپ کو گہری دلچسپی ہے۔ جنوبی ایشیا کی سیاست کا وہ دور جو ہنگاموں، فسادات، خون ریزیوں، کشمکش اور تصادم کا دور تھا، اقبال جیسا حساس مفکر اپنے آپ کو کیسے الگ کرتا، چنانچہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے بہتر مستقبل کے لیے آپ سرگرم عمل نظر آتے ہیں، آپ نے کئی سال تک برصغیر کی سیاست میں عملی شرکت کی اور بعض اہم فرائض سنبھالے،

تقسیم ہند اور پاکستان کا واضح تصور، مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے پیش کیا، ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے حصول کے لیے عمر بھر کوشاں رہے اور اپنے ہم عصر سیاستدانوں کو بھی قائل کرتے رہے۔ قائداعظم جیسے ماہر سیاست نے آپ کو عملی سیاست دان تسلیم کیا ہے۔ یوم اقبال منعقدہ 9/دسمبر 1942ء کے لیے، اپنے پیغام میں آپ نے کہا:

''وہ ایک بڑے شاعر اور فلسفی تو تھے ہی، لیکن عملی سیاست دان کی حیثیت سے بھی کم نہیں تھے''۔

اس مضمون میں عملی سیاست دان کی حیثیت سے آپ کی خدمات پہ روشنی ڈالی گئی ہے اگرچہ اس موضوع پر چند کتابیں اور مضامین بھی ملتے ہیں تاہم اس مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام مباحث ایک جگہ سما جائیں، عام قاری اور طالب علم مستفید ہو سکے۔

پیشتر اس کے ہم عملی سیاست میں آپ کا سفر شروع کریں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے سیاسی حالات کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔

مسلم قومیّت کا شعور اجاگر کرنے میں سرسیّد احمد خان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ آپ نے الیکشن کے مغربی طریقے اور یورپی نیشنلزم کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ قرار دیا، اردو، ہندی جھگڑے سے آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو اور مسلم متحد ہو کر نہیں رہ سکتے۔ 1905ء میں بنگال کی تقسیم سے ہندوؤں کا تعصب اور واضح ہو گیا، ہندو قوم پرستوں کے ناروا سلوک نے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کسی پلیٹ فارم پر جمع ہوں چنانچہ علی گڑھ کے فکری ارتقا ہی سے دسمبر 1906ء میں مسلم لیگ کی ابتدا ہوئی، مسلمان زعما جیسے حکیم اجمل، سر آغا خان، ظفر علی خان، محسن الملک، وقار الملک ڈھاکہ میں نواب سلیم اللہ کے گھر جمع ہوئے اور اپنی اس نمائندہ جماعت کے قیام پر اتفاق کر لیا۔ مسلمان رہنماؤں کی کوششوں سے 1909ء کے آئین میں، جداگانہ انتخاب کا مطالبہ، حکومت برطانیہ نے تسلیم کر لیا۔ 1911ء میں تقسیم بنگال کے احکام کو منسوخ کر دیا گیا جس سے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

جنگ عظیم کے دوران، انگریزوں نے، جنوبی ایشیا کے لوگوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے، ان سے وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر انہیں آزادی اور خود مختاری دے دی جائے گی،

مگر اسے وعدہ فردا پہ ٹال دیا گیا۔ برصغیر کے عوام میں مایوسی پیدا ہوئی 1918ء میں نام نہاد دستوری اصلاحات سامنے آئیں۔ رولٹ ایکٹ (فروری 1919ء) نے حالات میں مزید تلخی پیدا کی، قائداعظم نے احتجاجاً، امپیریل کونسل سے استعفیٰ دے دیا، گاندھی نے اس ایکٹ کے خلاف ستیہ گرہ کی مہم چلائی۔ 6 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ کا خونیں واقعہ پیش آیا، ہندوستان، آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا تھا، رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج، پنجاب کی فائرنگ اور تحریک خلافت نے دونوں قوموں کو اور قریب کر دیا، مسٹر گاندھی کو تحریک کا لیڈر قرار دیا گیا۔ بقول سیّد حسن ریاض:

> خلافت کانفرنس اور کانگرس کے اشتراک سے عدمِ تعاون کی تحریک، زلزلے اور طوفان کی طرح چلی۔

مارچ 1920ء میں وفد خلافت انگلستان گیا، مولانا محمد علی جوہر، سیّد سلیمان ندوی، سیّد حسین اور حسن محمد حیات نے مسلمانوں کی نمائندگی کی، جس کا مقصد ترکی کو بچانا اور اس طرح سے اسلام کی مرکزیت کو برقرار رکھنا تھا۔ اس وفد کو ایک حد تک کامیابی ہوئی، اہل اسلام، اتحادی ممالک کی چیرہ دستیوں سے کسی قدر محفوظ ہو گئے۔ تحریک خلافت اور کانگرس کا اتحاد، گاندھی کے متعصّبانہ روّیے کی بنا پر، دیر پا ثابت نہ ہوا۔ 1921ء کے بعد حالات بدل چکے تھے۔ انگریز کے جانے کے بعد، اکثریت کی حکومت کے آثار نظر آ رہے تھے، ہندو چاہتے تھے کہ انگریز جلد از جلد حکومت اکثریت کے حوالے کر دے، مسلمان اپنے سیاسی و ثقافتی تحفظات چاہتے تھے۔ لکھنؤ پیکٹ (1916ء) میں کانگرس نے جداگانہ انتخاب منظور کر لیا بعد میں اس سے منحرف ہو گئی مولانا محمد علی جوہر نے گاندھی کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ ملک کی رہنمائی کریں مگر انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر اپنی زبان بند رکھی، کوہاٹ کے فسادات 1924ء کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی، آریہ سماج نے ہندو مذہب کا پرچار کیا۔ ہندو مہاسبھا کا عروج ہوا جس کا لیڈر پنڈت مالویہ تھا۔ اس نے ہر مسئلے پر مسلمانوں کی مخالفت کی۔ کانگریس، ہندو مہاسبھا کی رو میں بہہ گئی بلکہ 1926ء کے عمومی انتخاب کے بعد، ہندو مہاسبھا کی دست نگر بن گئی۔

1927ء کا سال، تاریک سال تھا۔ فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، سائمن کمیشن ہندوستان آیا، کانگرس اور مسلم لیگ نے اس سے عدمِ تعاون کا فیصلہ کیا مگر سر محمد شفیع کی ''لیگ'' نے

(جس کے اقبال ان دنوں جنرل سیکرٹری تھے) تعاون کیا۔

کانگرس کے لیڈروں نے اپنے عمل سے متحدہ قومیّت کی نفی کی۔ مسلمانوں کے حقوق چھیننے، نہرو نے مرکزی اسمبلی میں، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کو صوبائی درجہ دینے کی مخالفت کی 1928ء کی رپوٹ میں پنجاب و بنگال کی عددی مسلم اکثریت کو ختم کرنے کا تہیہ کیا، نہرو رپورٹ کیا تھی، برطانوی سنگینوں کے سائے میں مہاسبھا کی حکومت قائم کردی جائے، ہندو پریس نے اس کی خوب نشر واشاعت کی۔ آل پارٹنر کانفرنس 1928ء میں کہا گیا کہ اس رپورٹ کو ایک شوشے کی تبدیلی کے بغیر قبول کیا جائے۔ مولانا محمد علی اور جناح کا موقف یہ تھا کہ نہرو رپورٹ کو تجاویز دہلی سے ہم آہنگ کیا جائے مگر مسلم رہنماؤں کی بات نہ مانی گئی اس پس منظر میں جناح نے فرمایا کہ اب ہمارے اور ہندوؤں کے راستے جدا جدا ہیں، مارچ 1929ء میں قائداعظم نے قومی تشخص کے لیے چودہ نکات (14) پیش کیے۔ کانگرس نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی، مسلمان الگ رہے۔ 1930ء میں سائمن رپورٹ شائع ہوئی یہ مردہ بچہ تھا جو پیدا ہوتے ہی دفنا دیا گیا۔ پھر گول میز کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوا مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی آواز کا یہ اثر ہوا کہ 1935ء کے آئین میں اقلیتوں کے تحفظات کی ضمانت دے دی گئی یہ آئین 1937ء میں نافذ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اکثریت کے معاندانہ رویوں کے سامنے اقلیتوں کے تحفظات کی کوئی قدر و قیمت نہیں، قومی ترانے کی حیثیت سے بندے ماترم کا نفاذ، واردھا کی تعلیمی سکیم اور اردو کشی کی کانگریسی مہم نے ثابت کردیا کہ آئین پر عمل کرنا یا نہ کرنا ـــــ اکثریت کی مرضی پر موقوف ہے اقلیت کا مستقبل، اکثریت کے رحم و کرم ہوتا ہے۔ اس احساس نے مسلمانوں میں قومی وطن کے مطالبے کو جنم دیا نیز یہ کہ قومی تشخص حاصل کرنے کے لیے، سیاسی اور عسکری قوت لازمی ہے۔

یہ حالات اور رویے تھے جب علامہ محمد اقبال نے اپنا سیاسی سفر شروع کیا اگرچہ ان کا یہ سفر مختصر ہے لیکن بھرپور رہے۔ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں اور دنیائے اسلام کے ہر مسئلہ پر سوچا سمجھا تحریک خلافت کے بارے میں اپنے عمل اور ردّعمل کا اظہار کیا، پنجاب اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے خدمات سرانجام دیں، گول میز کانفرس میں شرکت کی۔ 1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا خطبہ پیش کیا۔ سائمن کمیشن سے جزوی

تعاون کیا، نہرو رپورٹ کی مخالفت کی، پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کی اور قائداعظم کی قیادت عظمیٰ میں کام کیا۔۔۔غرض مختلف اور متنوع حیثیتوں سے جہد وعمل کا پیکر نظر آتے ہیں اس سلسلے میں انھوں نے تقریریں بھی کیں، بیانات بھی دیے، سیاسی معاصرین سے برسرپیکار بھی رہے، الغرض بہت سے واقعات پیش آئے آئندہ صفحات میں مذکورہ بالا حالات و واقعات کو اجاگر کیا جائے گا۔

علامہ محمد اقبال کے ابتدائی کلام میں وطن سے محبت، ہندو مسلم اتحاد کی خواہش موجود ہے، قیام انگلستان کے دوران، آپ کے ذہن ونظر میں بڑی تبدیلی آئی آپ کو یورپی وطنیت کے نقصانات کا اندازہ ہوا، اسلام کا احیا اور مسلمانوں کی سربلندی، آپ کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔۔۔ 1908ء میں سیّد امیر علی نے لندن میں مسلم لیگ کی شاخ قائم کی۔آپ نے اس کا افتتاح کیا اور وہیں مسلم لیگ کے رکن بنے اس کے اجلاس اور پروگراموں میں شرکت کرتے رہے، وطن لوٹ کو یہاں کی مسلم لیگ کے ممبر بنے (1909ء) اور اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

آپ کو عالم اسلام اور خلافت عثمانیہ سے خصوصی لگاؤ تھا عالم اسلام پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو آپ نے معرکہ آرا اور جذباتی منظومات لکھیں اپنی نظموں کی آمدنی بلقان فنڈ میں دے دی۔ برصغیر کے دیگر رہنماؤں کی طرح آپ کو نہ صرف تحریک خلافت سے دلچسپی تھی بلکہ قائد تحریک علی برادران سے بھی ہمدردی تھی، ان کے قید ہونے پر نظم لکھی۔اس تحریک کے حامیوں پر حکومت کی سختی سے آپ کو صدمہ ہوا۔لاہور میں مولوی محمد عرفان کو پولیس نے زدوکوب کیا تو بطور خاص احتجاج کیا۔خلافت وفد کی ناکامی پر سیّد سلیمان ندوی کو خط لکھا اور ان کی کوششوں کو سراہا۔ آپ 1919ء میں تحریک کے ممبر بنے مگر جلد مستعفی ہو گئے۔اس کی چند وجوہات تھیں۔۔۔ سیاست میں دلچسپی کی وجہ سے 1905ء میں لندن میں، آپ نے ایک نیم سیاسی انجمن کی رکنیت اختیار کی، کانگرس نے مسلمانوں کی رہنمائی اپنے ہاتھ میں لے لی۔گاندھی جی کی تحریک خلافت سے دلچسپی ہندو مفادات کی خاطر تھی وہ اپنی سیاست کی ڈھاک بٹھانا چاہتے تھے۔آپ نے کانگرس خلافت سوراج پارٹی، میں شرکت سے انکار کر دیا۔تحریک کی اس روش سے آپ سخت نالاں تھے۔سیّد سلیمان ندوی کے نام خطوط میں آپ نے اس کی پرزور مخالفت کی۔

تحریک خلافت نے اسلامیہ کالج لاہور کو بند کرنا چاہا کہ اسے اپنا مرکز بنائیں مگر آپ نے اس امر کی سخت مخالفت کی۔ خلافت وفد کے انگلستان جانے پر بھی اعتراض تھا کہ یہ خلافت کی گدائی تھی۔ اقبال یہ چاہتے تھے کہ یہ کام آزادانہ اور مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائے خلافت کی خاطر انگریزوں اور ہندوؤں کے آگے ہاتھ پھیلانا انہیں گوارا نہ تھا۔

ع مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست

پھر یہ بات کہ ترک بھی خلافت کے احیا کے حق میں نہ تھے، مصطفیٰ کمال پاشا کی کوششوں کی آپ نے تعریف کی۔ ترکی کی تحریک آزادی واستقلال کے بہت بڑے حامی تھے۔

پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے:

1923ء میں علامہ اقبال نے ملک کی خدمت کے نقطۂ نظر سے عملی سیاست میں شرکت کا مظاہرہ کیا اور پنجاب قانون ساز کونسل کی رکنیت کے امیدوار بنے مگر اپنے دوست میاں عبدالعزیز کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ بہر حال 1926ء میں آپ مذکورہ کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کا مقابلہ خان بہادر ملک دین محمد سے ہوا۔ 1927ء-1930ء تک، آپ کونسل کی کارروائیوں میں شریک رہے، اورنہایت مدلل، شگفتہ، بلیغ اور عالمانہ تقریریں کیں جو حرفِ اقبال میں شامل ہیں چند مخصوص عنوانات پر آپ کے خیالات کا مُلخّص پیش کیا جاتا ہے۔

غیر ملکی حکومت اور تعلیم:

11 مارچ 1927ء کو آپ نے حکومت کی تعلیمی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

> ہماری آئندہ ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے مگر تعلیم کی مدّ میں جو کچھ خرچ ہو رہا ہے سب رائیگاں ثابت ہوگا۔۔۔۔ جہاں جہاں لازمی پرائمری تعلیم کو نافذ کیا گیا ہے وہاں اس کی حیثیت کاغذی کارروائی سے زیادہ نہیں۔

1930ء کے بجٹ سیشن میں، آپ نے اعداد و شمار کے حوالے سے اس بات کا انکشاف کیا کہ صوبائی حکومت کی طرف سے پرائیویٹ سکولوں کو جو مجموعی گرانٹ دی جاتی ہے اس کا صرف پانچواں حصہ اسلامیہ سکولوں کے حصے آتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اکثریت کا صوبہ ہونے کے باوجود، مسلمانوں کی تعلیم سے دانستہ طور پر بے رخی اختیار کی گئی ہے اس سلسلے میں

ڈاکٹر صاحب ایک وفد لے کر ناظم تعلیمات انڈرسن سے بھی ملے اور انہوں نے تلافی کا وعدہ کیا۔

انکم ٹیکس اور لگان:

کاشتکاروں کی زبوں حالی پر آپ اکثر گفتگو کیا کرتے تھے۔ انگریز حکومت کم سے کم زمین پر بھی سرکاری لگان معاف کرنے کو تیار نہ تھی اس لیے کہ وہ زمین کی مالک تھی۔ دوسری طرف ساہوکار اور بنیے تھے کہ سود در سود کے ذریعے غریب کسان کی کمر توڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ زمین کے مالک، اہل ملک ہیں نہ کہ حاکم لوگ بادشاہ تو آتے جاتے رہتے ہیں، آپ نے سفارش کی کہ جس طرح بڑھتی ہوئی غیر زرعی آمدنی پر انکم ٹیکس کی شرح مسلسل بڑھتی ہے اس نسبت سے بڑی بڑی زمینداریوں کے لگان کی شرح میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔

ملک کے محدود مالی ذرائع کے پیش نظر انتظامیہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات میں تخفیف کرنا چاہیے آپ مختلف بجٹوں کے اعداد وشمار سے اس نتیجے پر پہنچے کہ ترقیاتی منصوبوں سے گرانقدر رقموں کا زیاں ہو رہا ہے۔

آپ کو مسلمانوں کی اقتصادی بہبود سے بہت دلچسپی تھی، مسلمان قرض کے نیچے دب گئے ہیں۔ مسلمانوں کی صنعت وحرفت کی طرف توجہ دینا چاہئے، کپڑا بننے اور چمڑے کی صنعتیں، خاص طور پر مسلمانوں کے لئے موزوں ہیں۔۔۔۔ تجارت کے بنیادی اصولوں کے مطابق بدیشی چیزیں صرف انہی منڈیوں سے خریدی جائیں جہاں وہ ارزاں مل سکتی ہوں۔ (بجٹ تقریر 1929ء)

انگریزی اور دیسی طریقہ علاج:

1928ء کے بجٹ سیشن میں تقریر کرتے ہوئے، آپ نے یونانی اور آیورویدک علاج کے طریقوں کی حمایت کی، مغربی طریقہ علاج مہنگا ہونے کے علاوہ لوگوں کے مزاج کے مطابق نہیں، اس میدان میں مسلمان اطبا کی حکمت گم گشتہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اس سلسلے میں بالخصوص سمرقندی کی تصانیف کی تعریف کی۔

ہندو مسلم فسادات:

1927ء میں فرقہ وارانہ فسادات زوروں پر تھے لاہور میں ایک ہولناک اور خونریز

فساد ہوا۔ موسم گرما کے اجلاس میں، آپ نے اس موضوع پر دو تقریریں کیں:

1۔ فرقہ وارانہ فسادات کے مختلف اسباب ہیں مگر بنیادی بات یہ ہے کہ ہنود نے ہر شعبے میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے ہندو قوم کے تصور میں، مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

2۔ آپ اتحاد کمیٹیوں اور کانفرنسوں کے طریق کار سے بھی مطمئن نہ تھے کہ ان میں عمل کی کمی ہے۔

سردار جل سنگھ کی قرارداد (صوبے کی تمام سرکاری ملازمتوں کی بھرتی کے لیے امتحانوں کا طریقہ رائج کیا جائے) پر آپ نے سخت تنقید کی کہ ہر ممتحن اپنی قوم کے امیدواروں سے ترجیحی سلوک کرے گا، ہمارے حالات یکسر مختلف ہیں۔

آپ نے دیہاتی علاقوں میں حفظانِ صحت اور عورتوں کے علاج معالجے کی سہولتوں کی بہم رسانی پر زور دیا۔

بانیانِ مذہب اور مقدس کتابوں کی بے حرمتی کرنے والوں کی خاطر تقریری قانون منظور کروایا۔

شراب کی درآمد اور کشید کی مخالفت کی۔

تلوار کو قانون اسلحہ ہند سے مستثنیٰ کرایا۔

(جاری ہے)

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

علامہ اقبالؔ

اقبال کا تصوّرِ ابلیس

میاں صدیق صادق
(سینئر صحافی روزنامہ 'نیشن لاہور'، جھنگ)

اُسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟

اقبال کا تصورِ ابلیس بھی درحقیقت ان کے نظریۂ خودی ہی کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ بقول ان کے خودی اپنے ارتقاء کے لیے خود اپنا غیر پیدا کرتی ہے، تا کہ اس کو جذب کرنے اور اس پر غالب آنے سے انسان روحانی ترقی کر سکے۔ اور قرآن کے اعتبار سے ابلیس انکارِ مجسم ہے جسے نفی حیات کہنا چاہیے اور زندگی ہر قدم پر اپنی نفی کر کے بہتر اثبات کی طرف قدم اٹھاتی ہے اس طرح ابلیس انسانی خودی کی ترقی کے لیے لازمی ہے۔

گویا اقبال کے ہاں ابلیس کا تصور اس کے فلسفۂ خودی کا ایک جزوِ لاینفک ہے۔ خودی کی ماہیئت میں ذاتِ الٰہی سے فراق اور سعی قرب ووصال دونوں داخل ہیں۔ اقبال کے فلسفہ خودی کی جان ان کا نظریۂ عشق ہے۔ عشق کی ماہیئت آرزو جستجو اور اضطراب ہے۔ اگر زندگی میں مواقع موجود نہ ہوں تو خیر کوشی بھی ختم ہو جائے جس کی بدولت خودی میں بیداری اور استواری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ابلیس کے بارے میں اقبال کے تصورات اور اس کا تعلق انسانی زندگی خصوصاً انسانی خودی کے ساتھ کیا ہے؟ یہ معلوم کرنے سے قبل ابلیس کے بارے میں عام تصورات پر بحث ضروری ہے۔ گویا ابلیس کی ماہیئت کو جان لینا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ تو ہم اس کے

بارے میں صحیح اندازہ کر سکتے ہیں نہ اقبال کے اس تصور کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو انھوں نے ابلیس کے بارے میں بڑے زور و شور سے پیش کیا ہے۔

ایک گروہ نے ابلیس کو ایک ناری اور جناتی مخلوق قرار دیا ہے۔ جو منکر ہونے کی حیثیت سے اپنی نظیر نہیں۔ اور اسی وجہ سے راندۂ درگاہ اور ملعون ہے۔

کسی نے اس کو ملعون ہونے کی بجائے سب سے بڑا توحید پرست اور موحد قرار دیا ہے۔ جس نے حکم خدا کے باوجود غیر خدا کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ منصور حلاج نے 'کتابُ الطّواسین' میں ابلیس کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے ایک ایسا کردار مانا ہے جو خدا کے ارادوں کی مشیت کا ایک ایسا کارندہ ہے جس کے فرائض سب سے زیادہ تلخ، سب سے زیادہ ناگوار کڑے اور نازک ہیں۔ اس کے فرائض میں ہے کہ اہل ملامت میں شامل ہو کر ہر وقت نشانۂ ملامت بنے۔ منصور کے نزدیک ابلیس ناگزیر کارندۂ مشیت ایزدی ہے۔

بعض لوگوں نے جس میں صوفیاء کرام بطور خاص شامل ہیں، ابلیس کو مادیت کا امام گردانا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس وقت اسے آدم کا خاکی عنصر نظر آیا مگر انسان کے عرفانی اور روحانی ممکنات اس کو نظر نہ آئے۔

کسی نے ابلیس کو زندگی کا ایک مظہر (MANIFESTATION) قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ زندگی کے بے شمار مختلف متنوع روپوں میں سے وہ بھی ایک رُوپ ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس کے برعکس ابلیس کو ایک مختلف وجود اور شخصیت رکھنے والا کوئی کردار قرار دیا ہے۔

کچھ فلسفیوں نے جن میں مغربی محققین پیش پیش ہیں، ابلیس کو وہی تصور قرار دیا ہے جو ایرانی ثنویت (Duelism) میں اہرمن کا تصور ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل نے جلاوطنی کے وقت جو ایرانی تصورات قبول کر کے انہیں مذہب میں داخل کر لیا تھا، ابلیس کا تصور بھی انہی تصورات میں سے ایک ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے قدیم انبیاء میں یہ عقیدہ کہیں نہیں ملتا اور ایرانیوں کے نزدیک فعال قوتیں دو ہیں: ایک کو وہ یزدان کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور دوسری وہ قوت ہے جو اہرمن کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

دانتے اپنی مشہور و معروف تخلیق "DEVINE COMEDY" میں ابلیس کو دوزخ

کے ساتھ دنیاوی نمائندہ قرار دے کر زندگی کے لیے ناگزیر تسلیم کرتا ہے۔

گوئٹے کے حکیمانہ ڈرامے فوسٹ (FOUST) میں زندگی کے گہرے اسرار اور اس کی باطنی قوتوں کی گرہ کشائی کی کوشش کی گئی ہے۔لیکن اس ڈرامے کا محور فوسٹ کے علاوہ ابلیس بھی ہے۔گویا اس نے ابلیس اور زندگی کو لازم وملزوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ملٹن نے اپنی مشہور دینی تصنیف 'فردوس گم شدہ' (PARADISE LOST) میں ابلیس کو ایک زبردست کردار مانا ہے۔اس عظیم روحانی کردار کو نہایت جاذب توجہ اور زندگی کے لیے باعث رونق قرار دے کر اس کی بڑی تکریم و تعظیم کی ہے۔اس کردار کی تشکیل میں ملٹن نے اپنی قوتِ تخیل کو پورے زوروں کے ساتھ استعمال کیا ہے۔یہاں تک کہ اس کے بعض نقادوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ملٹن کا شیطان اس کے خدا کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور لبریز حیات معلوم ہوتا ہے۔

عارف رومی کے نزدیک شیطان اُس زیرکی کا نام ہے جو عشق سے معرّا ہو کر ادنیٰ مقاصد کے حصول میں حیلہ گری کرتی ہے۔

زیرکی ابلیس و عشق از آدم است   می شناس ہر کہ از سر محرم است

قرآن پاک اور حدیث نبوی ﷺ میں بھی ابلیس کے متعلق ارشادات ملتے ہیں۔بعض لوگوں نے ابلیس کو ایک وجود قرار دیا ہے، جو گویا ایک شخصیت ہے جو ایک وقت میں ایک ہی جگہ عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن حدیث شریف میں ہے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: کیا حضور کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی، مگر میں نے اسے مومن بنا کے رکھا ہوا ہے۔

کشتہ شمشیر قرانش کنی   خوشتر آں باشد مسلمانش کنی

اس طرح شیطان یا ابلیس کے ایک وجود سے انکار ہو جاتا ہے۔اور پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ ابلیس انسان کی رگ و پے میں اور اس کی روح کی گہرائیوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کوئی شخصیت نہیں بلکہ زندگی میں ایک تخریب انگیز میلان کا نام ہے۔

ابلیس کی ماہیت کا مسئلہ دراصل خیر و شریعنی زندگی کے دونوں پہلوؤں کا مسئلہ ہے زندگی اور کائنات میں شر کے وجود اور اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، دنیا کی رونق اور محفل ہستی

کی ہنگامہ آرائی انہی دو قوتوں کی باہمی کشمکش پر منحصر ہے۔ بقول اصغر

ع کفار کا مرجانا خود مرگِ مسلماں ہے

اور شر کی قوتوں کا زوال دوسرے الفاظ میں خیر و برکت کا زوال ہے۔ اقبال نے بھی ابلیس کو زندگی کے اسی اہم پہلو کا نمائندہ قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک دوسرے پہلو یعنی خیر کا نمائندہ انسان ہے، جو روحانیت کا مظہر ہے۔ ان کے نزدیک ابلیس گویا شر کی نمائندگی کرتا ہے اور خیر کی نمائندگی انسان کی ملکوتی قوتیں کرتی ہیں۔ لیکن اقبال کے نزدیک یہ شر بھی زندگی اور خودی کی ترقی کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا خیر۔ اقبال کے خیال میں زندگی کی راہ میں یہ چیز رکاوٹ نہیں بلکہ ارتقاء کے مراحل طے کر کے بلند سے بلند ترین منزل کی طرف مہمیز کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے کلام میں ابلیس کی مذمت کی بجائے اس کی تکریم یا تعظیم و قدر معلوم ہوتی ہے اور کہیں کہیں ابلیس سے ہمدردی کا جذبہ کار فرما نظر آنے لگتا ہے۔ اقبال انسان کو بھی اتنا ہی مجرم سمجھتے ہیں جتنا کہ ابلیس کو۔

جرم ما از دانہ ، تقصیر او از سجدہ نے بآں بچارہ می سازی نہ باما ساختی

لیکن اقبال نے اس ہمدردی کے باوجود ایک مسلمان اور بڑے فلسفی کی حیثیت سے ابلیس کے اس پہلو کو بھی مدنظر رکھا ہے جو قابل مذمت ہے جس کا ذکر انھوں نے اپنے فلسفہ خودی کے تحت کیا ہے۔ وہ جب ابلیس کو قابل مذمت سمجھتے ہیں تو وہ اس ابلیسی صفت کا ذکر کرتے ہیں جو خودی کی تکمیل میں حارج ہوتی ہے، جسے وہ خودی کی تخریب کہتے ہیں۔ یہ گویا وہ ابلیسی صفت ہے جو عقل تک محدود ہے جس میں عشق کی چنگاریاں نہیں۔ اسی لیے اقبال اس کا مخالف ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے اور اس کے پیدا کرنے والے ابلیس کی بھی مذمت کرتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال ہٹلر ہے لیکن اقبال اس ابلیس یا شر کی تعریف کرتا ہے جو انسانی خودی کی ترقی کا باعث ہے۔ انسان کے لیے اس شر کی ماہیئت کو سمجھنا اور ہستی میں اس کا مقام متعین کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خیر کی ماہیئت کو سمجھنا، کیونکہ یہ دونوں باہمی تقابل ہی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا اقبال کے یہاں ابلیس کا تصور اس کے فلسفہ خودی کا ایک اہم جزو ہے۔ بلکہ ڈاکٹر اقبال ابلیس کو خودی کا ایک بڑا علمبردار سمجھتے ہیں جس نے فقط خودی کے لیے خود خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ابلیس کی فطرت میں اقبال کے مردِ کامل کی طرح

سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

کی صفت پائی جاتی ہے۔اس لیے اقبال نے جا بجا ابلیس کا ذکر کیا ہے اور ایسے انداز سے کیا ہے کہ بظاہر اس کی تعریف کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔اقبال نے توصیف کے اس پہلو کو مختلف پیرایوں سے واضح کرنے اور ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔مثلاً سب سے پہلے اقبال نے بال جبریل کی ایک اہم نظم 'جبریل و ابلیس' میں جبریل اور ابلیس کے درمیان باہمی مکالمہ کی شکل میں خود ابلیس کی زبانی اس کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

جبریل پوچھتے ہیں:

ہمدم دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو؟

ابلیس جواب دیتا ہے:

سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

پھر جبریل ابلیس کو توبہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں لیکن ابلیس کہتا ہے:

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو
اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو!
جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات
اس کے حق میں 'تَقْنَطُوْا' اچھا ہے یا 'لاتَقْنَطُوْا'؟

پھر جبریل کہتے ہیں: تو انکار کی وجہ سے ذاتِ باری تعالیٰ کی نظروں سے گر گیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ زندگی کی رونق میری وجہ سے ہے اور زندگی میں فراق کی بنا میرے انکار ہی نے ڈالی اور اسی سے کائنات کا ہر ذرّہ طلب وصال میں ارتقاء کوش ہوا پھر انسان

میں ذوقِ نمو پیدا ہوا۔ اس طرح اس کی خودی میرے سامنے آئی۔ اب اس مقابلہ میں جو لذت ہے اس سے اے جبریل تو واقف نہیں۔ وہ کہتا ہے:

ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو!

اور اے جبریل تو کہتا ہے کہ میں ذات باری کی نظروں سے گر گیا ہوں نہیں ایسا نہیں بلکہ

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

اقبال کی ایک مشہور نظم 'تسخیر فطرت' ابلیس کے متعلق ہے، اس میں ابلیس خود کو حیات کی حرکت کا سرچشمہ بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ زندگی میں جو برکت ہے وہ حرکت ہی کی وجہ ہے، اس لیے زندگی کی برکتیں بھی گویا اس کے دم سے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہنگامہ حیات اور زندگی کی چہل پہل صرف میری وجہ سے ہے، ورنہ یہ کائنات سکونی اور زندگی بے سوز و ساز ہوتی۔ اور پھر ابلیس کے آتش نژاد ہونے کے بھی یہی معنی ہیں کہ موجودات کا وجود حرارت سے ہے۔ اس سلسلے میں عربی کا ایک بلیغ جملہ بڑا اہم ہے کہ 'جنت کے پھل' دوزخ کی آگ سے پکتے ہیں۔ ابلیس کہتا ہے کہ چونکہ میں ناری ہوں اس لیے نوری سے بہتر ہوں کیونکہ نار میں حیات آفرینی اور نور، نار ہی کا ایک مظہر ہے اور پھر ترے شہکار ہنر یعنی آدم کو صحیح معنی میں خلیفۃ اللہ فی الارض بنانے میں میرا ہی تو ہاتھ۔

می تپد از سوزِ من' خونِ رگِ کائنات — من بہ دوِ صرصرم' من بہ غوِ تندرم
رابطۂ سالمات ، ضابطۂ اُمہات — سوزم و سازے دہم، آتش مینا گرم

ساختۂ خویش را، درشکنم ریز ریز تا ز غبارِ کہن ، پیکر نو آورم

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا ؎
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب
گرمیٔ آرزو فراق! شورش ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق! قطرے کی آبرو فراق

گفتم کہ بہ چمن رزم حیات ہمہ جائی است ؎
بزمے است کہ شیرازۂ او ذوقِ جدائی است

چنانچہ اقبال نے ابلیس کو خواجہ اہل فراق کہہ کر اپنے اس نظریۂ حیات کا مبلغ بنادیا اور خود اس کے ہم نوا معلوم ہوتے ہیں۔

گفت ساز زندگی سوز فراق اے خوشا سرمستی سوز فراق
حرف وصل او را ز خود بیگانہ کرد تازہ شد اندر او سوز و درد

پھر ابلیس میں کچھ ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو اقبال کے فلسفہ خودی اور نظریۂ ارتقاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ باتیں بھی اقبال نے ابلیس ہی کی زبانی بیان کی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں خدا کے وجود کا منکر نہیں، چونکہ میں نے خدا کو دیکھا ہے اس لیے میں اس کی ہستی سے انکار نہیں کرسکتا۔ میرے انکار میں بھی اقرار پوشیدہ ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ انسان کے ارتقاء میں میرا بڑا عمل دخل ہے۔ میں نے ہی بنی آدم کو پر سکون اور جامد جنت سے نکلوا کر جہاں وہ مجبور و بے اختیار تھا، مختاری تک پہنچا دیا۔ میری ہی تلقین اور بھڑکانے سے انسان نے نافرمانی کا ایک قدم اٹھایا اور پھر اس نافرمانی اور لغزش نے ایک خاص حد تک اس کے اختیار کا ثبوت بھی مہیا کر دیا۔ ملائکہ کی قسم کی بے چون و چرا اور اطاعت اور جبر میں کیا فرق ہے، وہاں اختیار کا نام و نشان تک نہیں۔ اختیار تو لغزشِ آدم سے پیدا ہوا جو اس کے طویل ارتقاء کے لیے ایک لازمہ تھا۔

شعلہ ہا از کشت زار من دمید او ز مجبوری بہ مختاری رسید
زشتی خود را نمودم آشکار با تو دادم ذوق ترک و اختیار

گویا ابلیس نے اپنا سارا حاصل جو اس نے عمریں صرف کرکے حاصل کیا تھا، صرف

اس لیے جلا دیا کہ اس پر انسان کی کھیتی لہلہائے اور اس نے اس وجہ سے انکار کیا کہ یہ انکار اقرار سے زیادہ انسانیت کی ترقی اور بہتری کے لیے ضروری تھا گویا یہ ابلیس کی ایک عظیم قربانی تھی جو اس لیے کی گئی کہ اس سے انسانیت کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کا موقع ملے۔

یہاں اقبال نے یہ لطیف نکتہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ تکریم آدم جنت سے نکل کر دنیا میں آنے کے بعد ہی ظہور میں آئی اور از روئے قرآن مجید جنت سے نکلنے کے بعد ہی خلیفۃ اللہ فی الارض بنا اور یہاں پہنچ کر انسان نے وہ ترقی کی کہ

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

بعض مذاہب مثلاً عیسائیت وغیرہ کے عقائد کے مطابق انسان دنیا میں پاداش گناہ کے طور پر بھیجا گیا ہے اور وہ مایوس و پریشان ہے لیکن ایسا نہیں وہ حسرت و حرمان کا شکار نہیں بلکہ اسے خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات کے خطابات سے نوازا گیا اور یہ سب اسی ابلیس کی بدولت ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر انسان کو جنت کی جامد اور پرسکون زندگی سے چھٹکارا مل گیا اور دنیا میں آ کر اپنے آپ کو اور اللہ کائنات کو مسخر کرنے کا شغل اس کے ہاتھ آ گیا۔

پیکر انجم ز تو، گردشِ انجم ز من   جاں بہ جہاں اندرم ، زندگی مضمرم
تو بہ بدن جاں دہی' شور بجاں من دہم   تو بہ سکوں رہ زنی' من بہ تپش رہبرم
آدمِ خاکی نہاد ، دوں نظر و کم سواد   زاد در آغوشِ تو' پیر شود در برم

خدا سے اس گفتگو کے بعد ابلیس آدم کی طرف آتا ہے اور جنت میں اسی سے ملاقات کرتا ہے اور اسے جنت کی پرسکون، جامد، بے کیف ہنگاموں، شورشوں اور آرزوؤں سے خالی زندگی سے، جس میں نہ تپش ہے نہ سوز و ساز، آرزو اور نہ کسی قسم کی کوئی خلش ، نہ فراق و وصال کی کشمکش، متنفر کر کے اس عالم کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے جہاں زندگی کی یہ تمام کیفیتیں بتمام وکمال موجود ہیں اور جہاں کی زندگی اس پُرسکون اور بے کیف زندگی سے بدر جہا بہتر اور رنگین ہے۔ وہ کہتا ہے: اے آدم! تیری حیاتِ دوام کا راز، جنت کی اس پُرسکون اور جامد زندگی میں نہیں بلکہ فراق، کشمکش پیہم اور سوختن ناتمام میں مضمر ہے۔ اس لیے اقبال نے کہا تھا۔

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

اور ذوق کا شعر ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ابلیس کہتا ہے:

زندگی سوز و ساز ، بہ ز سکونِ دوام　　فاختہ شاہیں شود ، از تپش زیر دام
ہیچ نیامد ز تو غیر سجودِ نیاز　　خیز چو سرو بلند ، اے بعمل نرم گام
کوثر و تسنیم برد ، از تو نشاطِ عمل　　گیر ز میناۓ تاک، بادۂ آئینہ فام
خیز کہ بنمائمت مملکت تازہ　　چشم جہاں بین کشا ، بہر تماشا خرام
تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل　　چیست حیاتِ دوام؟ سوختن ناتمام

'جاوید نامہ' میں ابلیس کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم کی دو بڑی اہم اور معرکہ اقدار نظمیں ہیں: ایک کا عنوان ہے 'نمودار شدن خواجہ اہل فراق ابلیس' اور دوسری نظم کا عنوان ہے 'نالۂ ابلیس'۔ اقبال نے ابلیس کو خواجہ اہل فراق کا لقب دے کر اسے بہت اونچا درجہ دے دیا ہے۔ اس سے نہ تو ابلیس کی مذمت مقصود ہے اور نہ یہ کوئی طنزی اور تحقیری لقب ہے۔ دراصل اقبال کے نزدیک زندگی اضطراب مسلسل، سعی و جستجوۓ پیہم اور منزل کی خواہش سے بیگانہ ذوق سفر کا نام ہے۔ وہ اس عقیدہ پر سختی سے کابند ہیں کہ 'شوق بمیر دز وصل'۔ گویا ان کے نزدیک خدا کی ذات سے انسان کی خودی کا فراق ابداً قائم و دائم رہنا چاہیے۔ یہ فلسفۂ فراق اقبال کا ایک اہم نظریہ ہے جس پر اس نے بہت کچھ لکھا ہے۔

آئی صداۓ جبریل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ہجر میں لذتِ طلب

ے

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن
دلِ کوہ و دشت وصحرا بہ دمے گذار کردن
ز قفس درے کشادن بہ فضاے گلستانے
رہِ آسماں نوردن ، بہ ستارہ راز کردن
بگداز ہائے پنہاں، بہ نیاز ہائے پیدا
نظرے اداشناسے بحریم ناز کردن
ہمہ سوزِ ناتمامم ، ہمہ دردِ آرزویم
بگماں دہم یقیں را کہ شہیدِ جستجویم

اور پھر چونکہ آدم کا کمال اس کی سعی پیہم سے وابستہ ہے۔اس لیے اگر ابلیس اس کو اس سکوتی اور خلش آرزو سے محروم جنت سے نہ نکلواتا تو اس کو یہ جستجو و آرزو اور تگ و دو کہاں سے نصیب ہوتی؟ اقبال کے خیال میں وہ جنت جس سے ابلیس نے آدم کو نکلوایا، بے کوشش اور یوں ہی بخشی ہوئی جنت تھی لیکن اب آدم اپنی مساعی اور سعی پیہم سے جو جنت بنائے گا وہ اس کے خونِ جگر کی پیداوار ہو گی۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں   آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں   جنت تیری پنہاں ہے تیرے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

پھر ابلیس آدم سے کہتا ہے کہ میں نے تیرے لیے اتنی عظیم قربانی دی اور اپنی عمروں کی کمائی اور حاصل کو تجھ پر قربان کر دیا اب تو میری خلاصی کر یعنی زیرک ہو جا اور اپنے اندر پرواز کی اتنی قوت پیدا کر لے کہ نہ تو صید رہے اور نہ میں صیاد رہوں۔ تیری بھی خلاصی ہو اور میری بھی۔ گویا ابلیس کمزور حریفوں سے پریشان ہے جن کا شکار اسے آسانی سے مل جاتا ہے اور زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی سخت کوشش اور جدوجہد کے بغیر فتح میں کوئی لطف نہیں۔اس لیے وہ حریف پختہ تر کی تلاش میں ہے جس سے شکست میں بھی لطف ہے

در جہاں صیاد بانخچیر ہا است   تا تو نخچیری بکیشم تیر ہا است
صاحب پرواز را افتاد نیست   صید اگر زیرک شود صیاد نیست

'نالۂ ابلیس' میں بھی ابلیس یہی شکایت کرتا ہے کہ اس صدزبوں کی صیادی سے اسے نجات مل جائے۔ کیونکہ یہ خودی ناشناس انسان بے چوں وچرا میری حکم برداری پر تیار رہتا ہے۔ ذرا مقابلہ کرے تو مجھے بھی زورآزمائی کا موقع ملے۔

اے خداوند صواب و ناصواب　　　من شدم از صحبت آدم خراب

ہیچ گہ از حکم من سر برنتافت　　　چشم از خود بست و خود را درنیافت

میری خودی نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کردیا تھا لیکن خدا کا شاہکار جس کے سامنے مجھے سربسجود ہونے کا حکم ملا تھا خود میرے حکم کی بے چوں وچرا تعمیل کرتا ہے۔ اگر وہ میری طرح خود میری نافرمانی کی جرأت کرتا اور ذوق کبریائی میں کسی کا مطیع وفرمانبردار نہ ہوتا تو میں اسے اچھا سمجھتا اور اپنا حریف گردانتا لیکن

خاکش از ذوقِ 'ابا' بیگانہ　　　از شرارِ کبریا بیگانہ!

صید خود صیاد را گوید بگیر　　　الاماں از بندۂ فرمان پذیر!

از چنیں صیدے مرا آزاد کن　　　طاعت دیر و زۂ من یاد کن

پست ازوآں ہمت والائے من　　　وائے من' اے وائے من' اے وائے من!

شکار کے آسانی سے مل جانے سے جہاں اقبال کی یہ مراد ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں میں ذوقِ نمو اور ذوقِ پرواز کا فقدان ہے اور ان کی خودی مردہ ہو چکی ہے اور وہ اپنی روحانی اقدار کو بھول کر اندھا دھند مادیت پرستی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے سرپڑ بھاگتے ہوئے تنزیل وانحطاط کی تاریکی کی طرف جارہے ہیں، وہاں وہ اس حقیقت کو بھی واضح کررہے ہیں کہ ابلیسیت چونکہ ہر جگہ پوری طرح مسلط ہو چکی ہے اور پوری دنیا پر کسی نہ کسی رنگ میں ابلیسی حکومت ہے اور نسل، قومیّت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، زن وزر وطن وغیرہ کے بت بنا کر ان کی پرستش کو مذہب اور تہذیب انسانی قرار دیا جارہا ہے۔ اس لیے اب اس مادی سودی دنیا میں ابلیس کی مزید ضرورت نہیں۔ خود انسانوں نے ابلیس کا کام سنبھال لیا ہے۔

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست

باقی نہیں اب میری ضرورت تہہ افلاک

جزیرۃ العرب: جغرافیائی کوائف

(سیرتِ امام المرسلین ﷺ)

ساجد محمود مسلم

جزیرۃ العرب وہ مبارک سرزمین ہے، جہاں سے نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا شمسِ بازِغہ طلوع ہوا۔ پہلے پہل اسی سرزمین پر اس شمسِ نبوت کا نور بکھرا، تا آنکہ اس نے کل جہاں کو روشن کر دیا۔ نورِ نبوت جزیرۃ العرب میں پوری آب و تاب سے چمکا اور اس سرزمین کا ایک ایک گوشہ اس سے منور ہوا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس جزیرۃ العرب کا اک طائرانہ منظر اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت نظروں کے سامنے رہے، تب کمالاتِ نبوت کا کسی درجہ میں ادراک ہو سکے گا۔

محل وقوع:

جزیرۃ العرب، براعظم ایشیا افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ایک جزیرہ نما (Peninsula) ہے جسے تین اطراف سے سمندر نے گھیرا ہوا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک برعظیم (Sub-continent) ہے، جو طبقات ارضیہ (Techtonic plates) میں سے ایک مکمل طبقہ ارضیہ پر مشتمل ہے، جسے طبقہ عربیہ (Arabian Plate) کہا جاتا ہے۔ علم الارض (Geology) کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ طبقہ عربیہ کسی زمانے میں ایک علیحدہ جزیرہ کی شکل میں سمندر میں تیرتا رہا ہے، یہ جزیرہ رفتہ رفتہ براعظم ایشیا کے قریب ہوا، یہاں تک کہ سرکتے سرکتے براعظم ایشیا و یورپ کے سنگم پر آ ٹکرایا۔ آج بھی طبقہ عربیہ 5 تا 10 ملی میٹر سالانہ کی رفتار

سے شمال کی جانب سرک رہا ہے۔(Wikipedia:Arabian Plate)

علم الارض کی رو سے مکمل طبقہ عربیہ کا نام جزیرۃ العرب ہے، یہی سبب ہے کہ یو ایس جیولوجیکل سروے کی جانب سے جزیرۃ العرب کا جو نقشہ شائع کیا گیا ہے اس میں پورے طبقہ عربیہ کو جزیرۃ العرب (Arabian Peninsula) کا نام دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے نقشہ نمبر 1۔ (www.pubs.usgs.gov/arabmap)

جزیرۃ العرب کی اصطلاح قدیم زمانے سے مستعمل ہے۔خود نبی اکرم ﷺ نے بھی کئی بار یہ اصطلاح استعمال فرمائی۔(مسند امام احمد: ح 201) جزیرۃ العرب کی وہ شرعی وفقہی حدود جہاں کسی غیر مسلم کی سکونت ممنوع ہے، حجاز اور اس کے قرب و جوار تک محدود ہیں،(موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد ابن قدامہ، المغنی مع الشرح الکبیر: 10/614) تاہم اس کی جغرافیائی حدود اس کے مقابلے میں بہت وسیع ہیں۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ گرینج میریڈین کے مطابق جزیرۃ العرب 33 درجے شرقی سے 60 درجے شرقی اور 12 درجے شمالی سے 38 درجے شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے اس اِدّعا کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ قبل از مسیح علیہ السلام سے مؤرخین بشمول ہیروڈوٹس (484-425 ق م) عموماً مکمل طبقہ عربیہ کو جزیرۃ العرب کے نام سے موسوم کرتے آئے ہیں۔ جیسا کہ مغربی مؤرخ برنارڈ لیوس رقمطراز ہے:

> It is in Greek writing that we find for the first time the place-name Arabia, formed on the analogy of Italia etc.Herodotus and after him most other Greek and Latin writers extend the term Arabia and Arab to the entire peninsula and all its inhabitants including the southern Arabians and even the eastern desert of Egypt between the Nile and the Red Sea. (Bernard Lewis, The Arabs in History, p.4, Oxford University Press, U.K, 2002)

’’ہم یونانی تحریر میں پہلی دفعہ کسی مقام کا نام عربیہ لکھا پاتے ہیں، جو کہ اطالیہ وغیرہ کی طرز پر وضع کیا گیا ہے۔ ہیروڈوٹس اور اس کے بعد اکثر یونانی اور لاطینی مصنّفین عربیہ اور عرب کی اصطلاح کی حدود سارے جزیرۃ العرب اور یہاں کے تمام

باشندوں تک وسیع مانتے ہیں، جس میں جنوبی عرب سمیت مصر کا وہ مشرقی صحرا بھی شامل ہے جو نیل اور دریائے قلزم کے بیچ پھیلا ہوا ہے۔"

حدودِ اربعہ

ہمارے نزدیک جزیرۃ العرب کی شمالی حدود جبال طوروس (Taurus Mountain) اور جبال زغروس (Zagros Mountain) تک وسیع ہیں، جبکہ اس کے شمال مغرب میں بحیرہ روم، جنوب مغرب میں بحیرہ قلزم (احمر) جنوب میں خلیج عدن، جنوب مشرق میں بحیرہ عرب اور شمال مشرق میں خلیج عربی، خلیج عمان اور آبنائے ہرمز واقع ہیں۔ ملاحظہ کیجئے نقشہ نمبر 2۔ (Wikipedia:Arabian Peninsula)

طبعی خدوخال

جزیرۃ العرب پر متنوع طبعی خدوخال پائے جاتے ہیں۔ یہاں صحرا، پہاڑ، میدان، سطوح مرتفع، دریا، سمندر، آتش فشاں اور نخلستان جیسے فطرت کے سبھی نظارے موجود ہیں۔

(ا) صحرائے عرب:

جزیرۃ العرب کا تقریباً دو تہائی رقبہ صحراء پر مشتمل ہے، اس سارے صحراء کو زمانے قدیم سے صحرائے عرب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ صحرائے عرب کے پانچ بڑے حصے ہیں:

1۔ صحراء ربع الخالی 2۔ صحراء نفود 3۔ صحراء دھنا

4۔ صحراء شام 5۔ صحراء سینا

ذیل میں صحراء عرب کے مذکورہ پانچ حصوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے:

<u>1۔ صحراء ربع الخالی:</u> جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ میں صحراء عرب کے چوکور شکل کے حصے کو ربع الخالی کہتے ہیں۔ یہ صحراء عرب کا سب سے بڑا حصہ ہے جس کا رقبہ تقریباً چھ لاکھ پچاس ہزار (650000) مربع کلومیٹر ہے، سطح سمندر سے اس کی زیادہ سے زیادہ بلندی آٹھ سو (800) میٹر ہے۔ یہاں نہایت بلند ٹیلے پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض دوسو پچاس (250) میٹر تک بلند ہیں۔ یہاں کی ریت میں فلسفار (Feldspar) کی کثرت کے باعث ریت کا رنگ سرخی مائل نارنجی ہے۔ ربع الخالی جزیرۃ العرب کا گرم ترین مقام ہے۔ موسم گرما میں یہاں کا

اوسط درجۂ حرارت 47 سینٹی گریڈ ہوتا ہے، جو اپنی انتہا کو چھوتا ہے تو 60 درجے سینٹی گریڈ تک چلا جاتا ہے۔ یہاں تیز گرم ہوائیں چلتی ہیں جو آدمی کی جلد کو جھلس دیتی ہیں۔ یہاں کی آب وہوا نہایت خشک ہے۔ سالانہ اوسط بارش 35 ملی میٹر سے بھی کم ہوتی ہے۔ ربع الخالی ایک بے آباد صحراء ہے تاہم اس کے مغرب میں نجران کے قریب بدو قبائل عرصہ قدیم سے سکونت پذیر ہے۔ (Wikipedia:Ruba al-Khali)

2۔ صحراءِ نفود: حجاز سے شام تک جزیرۃ العرب کے شمال مغربی حصے میں واقع صحراءِ عرب کے حصے کو صحراء نفود کہتے ہیں۔ صحراء نفود کا رقبہ تقریباً ایک لاکھ تین ہزار چھ سو (103600) مربع کلومیٹر ہے، قدرے بیضوی شکل کا یہ خطہ اچانک اچک لینے والی تیز ہواؤں کے لئے مشہور ہے، یہاں ہلالی شکل کے بڑے بڑے ٹیلے بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ یہاں سال میں ایک دو بار بارش برستی ہے تو موسم خوشگوار ہوجاتا ہے، عام حالات میں یہ بھی گرم ترین مقامات میں سے ہے، اس کا اوسط درجۂ حرارت ربع الخالی کے قریب رہتا ہے۔ (Wikipedia:Nefud)

3۔ صحراءِ دھنا: صحراء عرب کے وسطی حصے کو صحراء دھنا کہتے ہیں، جو صحراء عرب کے شمال مغربی حصے (صحراء نفوذ) اور جنوبی حصے (صحراء ربع الخالی) کو آپس میں ملاتا ہے۔ یہ صحراء ایک لمبی پٹی کی شکل میں ہے جس کی لمبائی تقریباً ایک ہزار (1000) کلومیٹر اور چوڑائی تقریباً اسّی (80) کلومیٹر ہے۔ پس اس کا رقبہ اسّی ہزار (80000) مربع کلومیٹر ہے۔ اس صحراء کے ریت کا رنگ آئرن آکسائیڈ شامل ہونے کی وجہ سے سرخی مائل ہے۔ (Wikipedia:Ad-Dahna Desert)

4۔ صحراءِ شام: صحراء عرب کا انتہائی شمالی حصہ صحراء شام کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً تین لاکھ (300000) مربع کلومیٹر ہے۔ مشرق میں اس کی حدود بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل تک وسیع ہیں۔ صحراء عرب کے باقی حصوں کی طرح یہاں کی آب و ہوا بھی گرم اور خشک ہے تاہم یہ کلیتاً بے آباد نہیں بلکہ یہاں کے نخلستانوں کے قریب زمانہ قدیم سے عرب بدو سکونت پذیر ہیں۔ (Wikipedia:Syrian Desert)

5۔ صحراءِ سینا: مثلث شکل کے جزیرہ نمائے سینا کا نمایاں خدوخال صحراء سینا ہے جو براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ کے درمیان پل کا کام دیتا ہے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بنو اسرائیل

نے یہیں چالیس سال تک صحرا نوردی کی تھی۔ اس صحراء کا رقبہ پچاس ہزار (50000) مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ دوسرے صحراؤں کی طرح یہ بھی گرم اور خشک آب و ہوا رکھتا ہے، جہاں تیز ہواؤں کے جھکّڑ چلتے رہتے ہیں۔

(ب) جبال العرب:

جزیرۃ العرب کا دوسرا نمایاں ترین طبعی خدوخال یہاں کے بلند و بالا پہاڑ ہیں، جو عموداً اس کی حدود اربعہ کے قریب واقع ہیں۔ اس برعظیم میں درج ذیل پہاڑی سلسلے موجود ہیں:

1۔ جبال السراۃ 2۔ جبال زعروس 3۔ جبال طوروس

4۔ جبال الحجر 5۔ جبال حضرموت

1۔ جبال السراۃ: جبال السراۃ، جزیرۃ العرب کا سب سے عظیم وطویل پہاڑی سلسلہ ہے جو بحیرۂ قلزم کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جبال السراۃ جزیرۃ العرب کے جنوبی ساحل سے لے کر شمال میں اناطولیہ تک وسیع ہے۔ اس طویل پہاڑی سلسلے کی اوسط بلندی دو ہزار (2000) میٹر ہے۔ اس سلسلہء کوہ کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: 1۔ سراۃ الیمن 2۔ سراۃ العسیر 3۔ سراۃ الحجاز 4۔ سراۃ الشام

سراۃ الیمن: جزیرۃ العرب کے جنوب میں جبال السراۃ کا بلندترین حصہ واقع ہے، جسے قدیم یمن میں موجود ہونے کی وجہ سے سراۃ الیمن کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں پہاڑوں کی چوٹیاں تین ہزار میٹر سے بھی بلند ہیں، یہیں جزیرۃ العرب کی بلندترین چوٹی جبل النبی شعیب (علیہ السلام)، قدیم شہر صنعا کے قریب واقع ہے، جس کی بلندی تین ہزار چھ سو چھیاسٹھ (3666) میٹر ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں جزیرۃ العرب کی سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے، حتیٰ کہ یہاں کے بعض علاقوں میں ایک ہزار ملی میٹر تک بارش ریکارڈ کی گئی ہے۔ عرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ بارشیں ہونے کی وجہ سے یہ خطہ نہایت زرخیز ہے۔ (Wikipedia:Yemen, Sarawat Mountains)

سراۃ العسیر: سراۃ الیمن سے اوپر شمال کی جانب زمانہ قدیم سے عرب قبائل کا ایک بڑا مجموعہ آباد ہے جسے العسیر کہتے ہیں۔ انہی کی نسبت سے یہ سارا علاقہ العسیر کہلاتا ہے۔ جبال السراۃ کے اس حصہ میں چوٹیوں کی بلندی عموماً دو ہزار میٹر سے زیادہ ہے۔ اس خطے کی بلندترین چوٹی

جبل سودہ، دو ہزار نو سو بیاسی (2982) میٹر بلند ہے اس حصہ میں سال میں دو دفعہ بارش ہوتی ہے۔ مارچ، اپریل اور جولائی، اگست میں تین سو (300) سے پانچ سو (500) ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔ دنیا میں پہاڑوں میں درجہ حرارت عموماً کم ہوتا ہے، مگر دیگر کوہستانوں سے موازنہ کیا جائے تو سراۃ العسیر میں درجہ حرارت نہایت بلند ہوتا ہے جو کہ دن کے وقت عموماً 30 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔(Wikipedia:Asir Region)

سراۃ الحجاز: سراۃ الحجاز جزیرۃ العرب کے تقریباً وسط میں واقع ہے، اسے مختصراً الحجاز بھی کہتے ہیں۔ الحجاز ہی وہ خطہ ہے جہاں نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے تریسٹھ برس گزارے۔ الحجاز کی چوٹیاں دو ہزار (2000) میٹر سے دو ہزار چھ سو (2600) میٹر تک بلند ہیں۔ الحجاز میں تین شہر زمانہ قدیم سے آباد ہیں، مکۃ المکرّمہ، مدینۃ المنورہ اور طائف۔ سراۃ الحجاز اور سراۃ العسیر کے درمیان تھوڑا سا خلا ہے، اس خلا کے قریب پہنچ کے الحجاز کی چوٹیاں صرف چھ سو (600) میٹر تک بلند ہیں۔ الحجاز، جزیرۃ العرب کا واحد خطّہ ہے جہاں سونے کی کان دریافت ہوئی ہے، اس لئے عصر حاضر میں الحجاز کو مہد الذھب بھی کہتے ہیں۔
(Wikipedia:Hijaz Mountains)

الحجاز میں بارش عموماً سرما میں ہوتی ہے، بارش کی مقدار اکثر کم ہوتی ہے تاہم کبھی کبھار شدید بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ الحجاز کا مرکزی شہر مکۃ المکرّمہ ہے، جو نبی اکرم ﷺ کی جائے پیدائش ہے۔ مکۃ المکرّمہ جبل ابوقبیس اور جبل قیعقعان کے درمیان ایک نشیبی وادی ہے جس کا رقبہ تقریباً دو سو (200) مربع میٹر ہے۔ (شوقی ابوخلیل، اٹلس سیرت نبوی: ص 80، مترجم)

مکۃ المکرّمہ کا درجہ حرارت موسم گرما میں عموماً 35 درجے سینٹی گریڈ سے اوپر ہوتا ہے، موسم سرما میں بھی درجہ حرارت زیادہ نہیں گرتا، موسم سرما میں یہاں دن کے وقت درجہ حرارت 30 درجے اور رات کے وقت 17 درجے سینٹی گریڈ رہتا ہے مکۃ المکرّمہ سطح سمندر سے تقریباً تین سو (300) میٹر بلند ہے۔(Wikipedia:Mecca)

مکۃ المکرّمہ سے شمال کی جانب تقریباً تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک خوبصورت نخلستان آباد ہے، جسے قدیم زمانہ میں یثرب کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اس شہر میں سکونت پذیر

ہوئے تو اس شہر کا نام مدینۃ النبی ﷺ مشہور ہو گیا۔ مدینہ منورہ سطح سمندر سے تقریباً چھ سو میٹر کی بلندی پر واقع ہے، یہاں کا موسم مکۃ المکرّمہ سے ملتا جلتا ہے، تاہم نخلستان ہونے کی وجہ سے یہاں گرمی کی شدت قدرے کم ہوتی ہے۔ یہاں نہایت عمدہ کھجوریں پیدا ہوتی ہیں، جن کی ہر زمانے میں بہت مانگ رہی ہے۔ (شوقی ابوخلیل، اٹلس سیرت نبوی: ص 154)

مکۃ المکرّمہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ایک سو (100) کلومیٹر کے فاصلے پر جزیرۃ العرب کا اہم گرمائی مقام (Summer Resort) طائف واقع ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً ایک ہزار آٹھ سو اناسی (1879) میٹر بلند ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک مضبوط فصیل بنی ہوئی ہے۔ طائف کو باغ حجاز بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں انگوروں کے بہت سے باغ ہیں۔ (Wikipedia:Taif)

سراۃ الشام: مدینۃ المنورہ سے اوپر جا کر صحراء نفود کے پاس سراۃ الحجاز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس سے ذرا اوپر سے سراۃ الشام کا آغاز ہو جاتا ہے، سراۃ الشام کی جنوبی سرحد کے پاس اہم تاریخی شہر تبوک آباد ہے۔ یہاں تبوک میں موسم گرما شدید اور موسم سرما قدرے معتدل ہوتا ہے، موسم سرما میں یہاں درجہ حرارت 4 تا 15 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے موسم سرما کی راتوں میں درجہ حرارت منفی چھ (6-) درجے تک گر سکتا ہے۔ تبوک میں بارش موسم سرما میں عموماً نومبر تا مارچ کے درمیان ہوتی ہے جو عموماً 50 تا 150 ملی میٹر ہوتی ہے۔ تین چار سال بعد شدید موسم سرما میں برف باری بھی ہو جاتی ہے۔ (Wikipedia:Tabuk,Saudi Arabia)

تبوک سے اوپر مغرب کی جانب خلیج عقبہ واقع ہے، جو سراۃ الشام کے ایک حصے کو اس سے جدا کر دیتی ہے، یہ حصہ جزیرہ نما سینا (Sinai Peninsula) پر واقع مشہور پہاڑ طور سینا ہے جسے جبل موسیٰ (علیہ السلام) بھی کہتے ہیں۔ یہی وہ پہاڑ ہے جہاں سیّدنا موسیٰ (علیہ السلام) کو پہلی بار اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جبل موسیٰ سطح سمندر سے دو ہزار دو سو پچاسی (2285) میٹر بلند ہے۔ یہاں موسم سرما میں درجہ حرارت منفی سولہ درجہ تک گر جاتا ہے۔ (Wikipedia:Mount Sinai/ Sinai Peninsula)

بحیرہ روم کے جنوب مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ ایک سو ستر کلومیٹر تک وسیع

سراۃ الشام کا وہ حصہ واقع ہے جسے جبل لُبنان کہا جاتا ہے، اس کی اوسط بلندی دو ہزار دوسو (2200) میٹر ہے جبکہ اس کی بلندترین چوٹی قرنۃ السودا، تین ہزار اٹھاسی (3088) میٹر بلند ہے ان پہاڑوں پر شاہ بلوط اور چیڑ کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ یہاں کثرت سے بارش ہوتی ہے اور موسم سرما میں پانچ میٹر گہرائی تک برف باری بھی ہوتی ہے تورات میں کئی مقامات پر جبل لبنان کا ذکر ہوا ہے۔(Wikipedia:Mount Lebanon)

جبل لبنان کے مشرقی جانب مشہور تاریخی پہاڑ جبل قاسیون واقع ہے، جس کے دامن میں اہم شہر دمشق بسا ہوا ہے۔جبل قاسیون کی بلندترین چوٹی سطح سمندر سے ایک ہزار ایک سو اکیاون (1151) میٹر بلند ہے۔(Wikipedia:Mount Qasioun)

جبل موسیٰ اور جبل لبنان کے تقریباً درمیان میں جبل ام الدامی واقع ہے جو سطح سمندر سے ایک ہزار آٹھ سو چون (1854) میٹر بلند ہے۔اس کی چوٹی برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ (Wikipedia:Jordan)

2۔جبال زغروس: جزیرۃ العرب کے شمال مشرق میں بلند سلسلۂ کوہ واقع ہے جسے اہلِ عرب جبال زغروس اور اہلِ فارس کوہ زاگرس کہتے ہیں۔ یہ سلسلۂ کوہ ایک ہزار پانچ سو (1500) کلومیٹر طویل ہے جو جزیرۃ العرب اور فارس کے درمیان قدرتی حد بندی کا کام دیتا ہے۔ماہرین ارضیات کے مطابق جبال زغروس، طبقہ عربیہ اور طبقہ یوریشیا کے تصادم سے وجود میں آئے، ان کا زیادہ حصہ فارس میں واقع ہے۔اس سلسلۂ کوہ کی بلندترین چوٹی زردکوہ کی بلندی چار ہزار پانچ سو اڑتالیس (4548) میٹر ہے، جو کہ فارس کا حصہ ہے۔ یہاں سالانہ چار سو تا آٹھ سو (400-800) ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔ بارش عموما موسم سرما اور بہار میں ہوتی ہے۔موسم سرما میں یہاں کا درجۂ حرارت منفی پچیس (25-) درجے تک گر جاتا ہے۔بارش کی وجہ سے یہاں کوہستانی جنگلات اگے ہوئے ہیں۔خلیج عربی کا زیادہ تر معدنی تیل جبل زغروس کے شمالی دامن کے قریب نکالا جاتا ہے۔(Wikipedia:Zagros Mountains)

3۔جبال طوروس: جزیرۃ العرب کی انتہائی شمالی سرحد پر عظیم سلسلۂ کوہ جبال طوروس واقع ہے۔ جبال طوروس طبقہ عربیہ اور طبقہ یوریشیا کے اہم حصے اناطولیہ (Anatolia) کے ملاپ پر

واقع ہیں،اس سلسلۂ کوہ کا اصل رقبہ اناطولیہ کی جانب ہے جب کہ اس کا جنوبی دامن جزیرۃ العرب کی جانب ہے۔ جبال طوروس کی بلندترین چوٹی دمیرکازک تین ہزار آٹھ سودس (3810) میٹر بلند ہے جوکہ اناطولیہ کا حصہ ہے۔ جزیرۃ العرب کا اہم شہر دیار بکر اسی پہاڑ کے جنوبی دامن کے قریب آباد ہے، جسے اوّلاً عرب قبائل بنو بکر نے آباد کیا تھا،جن کا اصل وطن نجد تھا جو کہ وسطی جزیرۃ العرب میں واقع ہے۔ جزیرۃ العرب کے دو اہم دریا دجلہ اور فرات دیار بکر کے قریب جبال طوروس سے نکلتے ہیں۔(Wikipedia: Taurus Mountains/ Banu Bakr)

4۔جبال الحجر: یہ سرسبز پہاڑ جزیرۃ العرب کے انتہائی مشرقی حصے میں خلیج عمان کے ساحل پر واقع ہیں۔ یہ سلسلۂ کوہ تقریباً پانچ سو کلومیٹر طویل ہے جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ یہاں شاہ بلوط انجیر،انار،آڑو،اخروٹ اور خوبانی کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں بعض علاقوں میں عربی چیتا بھی پایا جاتا ہے۔ جبال الحجر کا وسطی حصہ جبل اخضر کہلاتا ہے جس کی بلندترین چوٹی جبل شمس سطح سمندر سے تین ہزار میٹر سے (3000) بلند ہے۔ یہاں سالانہ تین سو (300) ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔(Wikipedia:Al-Hajar Mountains/ Jebel Akhdar)

5۔جبال حضر موت: جزیرۃ العرب کے جنوب مشرقی حصے میں بحیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ واقع سلسلۂ کوہ کو حضرموت کہا جاتا ہے۔ یہ سراۃ الیمن سے متصل پہاڑی سلسلہ ہے جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔اس سلسلۂ کوہ کی اوسط بلندی ایک ہزار ساٹھ (1060) میٹر جبکہ بلندترین چوٹی دوہزار چار سو چالیس (2440) میٹر بلند ہے۔

(ج) جزیرۃ العرب کے دریا:

جزیرۃ العرب کا دو تہائی رقبہ صحرا پر مشتمل ہونے کے باعث اس خطے میں تازہ پانی کے ذخیرے بہت کم ہیں۔ جزیرۃ العرب کے وسطی حصے میں سرے سے کوئی دریا نہیں ہے لہذا یہاں پانی کمیاب ہے۔ یہاں پانی کا بڑا ذریعہ صرف زیر زمین پانی ہے جو کنویں کھود کر نکالا جاتا رہا ہے۔ جزیرۃ العرب کے صرف چار بڑے دریا ہیں جو اس کے شمالی علاقہ جات میں واقع ہیں۔ یہ دریا درج ذیل ہیں:

1۔دریائے فرات 2۔دریائے دجلہ

3۔دریائے اردن 4۔دریائے عاصی

1۔دریائے فرات: یہ دریا شمال میں واقع جبال طوروس سے نکلتا ہے اور بالآخر تین ہزار کلومیٹر فاصلہ طے کرکے خلیج عربی میں جا گرتا ہے دریائے فرات، جزیرۃ العرب کا طویل ترین دریا ہے جو دریائے دجلہ کے ساتھ مل کر شط العرب بناتا ہے۔شمال میں تین چھوٹے دریا دریائے فرات سے آملتے ہیں جن کے نام سجور، بالخ اور خبور ہیں۔یہ دریا قدیم اناطولیہ (ترکی)،شام اور عراق کے وسیع رقبوں کو سیراب کرتا ہے۔(Wikipedia:Euphrates)

2۔دریائے دِجلہ: دریائے فرات کی طرح دریائے دجلہ بھی جبال طوروس سے نکلتا ہے اور دونوں مل کر شط العرب بناتے ہیں جو خلیج عربی میں جا گرتا ہے۔دریائے دجلہ کی لمبائی ایک ہزار آٹھ سو پچاس (1850) کلومیٹر ہے۔دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے چشموں میں صرف تیس (30) کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔دریائے دجلہ کی سرزمین عراق ہے، جہاں یہ نہایت وسیع رقبے کو سیراب کرتا ہے۔دریائے دجلہ اور دریائے فرات کا درمیانی علاقہ الجزیرۃ کہلاتا ہے جو کہ دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔اس کی زرخیزی کے سبب اسے معروف زرخیز ہلال (Fertile Creseent) کا سب سے اہم حصہ تصور کیا جاتا ہے۔(Wikipedia:Tigris)

3۔دریائے اردن: دریائے اردن،جبل لبنان میں سے نکلنے والے چار چھوٹے دریاؤں کے ملنے سے وجود میں آیا ہے جن کے نام الحاصبانی، بانیاس، اللدان اور براغیث ہیں۔تاہم میدانی علاقے میں دریائے یرموک اور دریائے زرقا بھی اس میں آملتے ہیں۔پہاڑوں سے اترنے کے بعد جھیل ہولا میں سے ہوتا ہوا بحیرہ طبریہ میں داخل ہو جاتا ہے۔بحیرہ طبریہ سے نکل کر فلسطین کو سیراب کرتا ہوا بحر میّت (Dead Sea) میں جا گرتا ہے۔دریائے اردن کی کل لمبائی دو سو اکیاون (251) کلومیٹر ہے۔(Wikipedia:Jordan River)

4۔دریائے عاصی: دریائے عاصی شمال مغربی پہاڑوں میں وادی بقا سے نکلتا ہے،اس کا چشمہ انطاکیہ کے قریب ہے،دریائے عاصی کی سرزمین شام ہے،اس کی کل لمبائی دو سو چالیس (240) کلومیٹر ہے۔دریائے عاصی شام کے مغربی علاقوں کو سیراب کرتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔

دریائے عاصی کے معاون دریا عفرین اور اسود ہیں۔(Wikipedia:Orontes River)

(د) بحرمیّت:

جزیرۃ العرب کے شمال میں مغربی ساحل کے قریب بری حصے میں ایک عجیب وغریب جھیل واقع ہے جسے بحرمیّت کہتے ہیں۔اس جھیل کی لمبائی سرسٹھ (67) کلومیٹر اور چوڑائی اٹھارہ (18) کلومیٹر ہے۔لہٰذا اس کا کل رقبہ تقریباً آٹھ سو دس (810) مربع کلومیٹر ہے۔اس کی ایک عجیب بات تو یہ ہے کہ اس کی سطح، عام سطح سمندر سے چار سو تیئیس (423) میٹر نیچے ہے جبکہ اس کی گہرائی تین سو ستتر (377) میٹر ہے جو کہ دنیا کی سب سے گہری نمکین جھیل ہے۔اس جھیل کے پانی میں تقریباً تیس فیصد (30) نمک حل ہے۔جس کی وجہ سے اس جھیل کے ایک لٹر پانی میں سوا گرام (1.24) نمک پایا جاتا ہے۔یہی سبب ہے کی اس کی کثافت بہت زیادہ ہے۔اس کی انتہائی کثافت کی وجہ سے اس میں کوئی جانور زندہ نہیں رہتا۔اس کے شمالی حصے میں سالانہ ایک سو (100) ملی میٹر جبکہ جنوبی حصے میں پچاس (50) ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔دریائے اردن کا پانی بالآخر اسی بحرمیّت میں آ کے گرتا ہے، مگر اس کے باوجود اس جھیل کے نمکیات میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ ان میں اضافہ ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ قدیم شہر عمورہ اور سدوم اسی بحرمیّت کے کنارے واقع تھے۔(Wikipedia:Dead Sea)

(ر) بحیرہ طبریہ:

قدیم فلسطین میں شیریں پانی کی ایک وسیع جھیل واقع ہے جو اپنی وسعت کی وجہ سے بحیرہ طبریہ کہلاتی ہے۔یہ جھیل تقریباً اکیس (21) کلومیٹر لمبی اور تیرہ (13) کلومیٹر چوڑی ہے، اس لحاظ سے اس کی سطح کا کل رقبہ ایک سو چھیاسٹھ (166) مربع کلومیٹر ہے۔اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی تینتالیس (43) میٹر ہے۔اس کی سطح، عام سطح سمندر سے دو سو نو (209) میٹر نیچے ہے، لہٰذا یہ دنیا کی تمام شیریں جھیلوں سے سب سے زیادہ گہرائی میں واقع ہے۔دریائے اردن اس کے شمالی حصے میں داخل ہوتا اور جنوبی حصے میں سے نکلتا ہے۔(Wikipedia:Sea of Galilee)

جزیرۃ العرب کے سمندر:

جزیرۃ العرب کے تین اطراف سمندر واقع ہے، جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

بحرالعرب: بحرالعرب دراصل بحرالہند کا ایک جزو اعظم ہے، جو کہ جزیرۃ العرب کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ اڑتیس لاکھ باسٹھ ہزار (3862000) مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی چار ہزار چھ سو باون (4652) میٹر ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں خلیج عدن اسے باب المندب کے ذریعے بحرقلزم سے ملاتی ہے۔ جبکہ شمال مغرب میں خلیج اومان اسے خلیج عربی سے ملاتی ہے۔ بحرالعرب زمانہ قبل مسیح سے مشرق ومغرب کے درمیان تجارت کا سب سے مصروف سمندری راستہ رہا ہے۔(Wikipedia:Arabian Sea)

بحرالقُلزُم: بحرالقلزم کو عصرِ حاضر میں بحرِ احمر (Red Sea) بھی کہتے ہیں۔ یہ سمندر جزیرۃ العرب اور براعظم افریقہ کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں خلیج عقبہ اور خلیج سویز واقع ہے۔ جدّہ کی مشہور اور دنیا کی مصروف ترین بندرگاہ اسی سمندر کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔(Wikipedia:Red Sea)

بحیرہ روم: بحیرہ روم، جسے بحرمتوسط بھی کہا جاتا ہے، جزیرۃ العرب کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس سمندر کو چاروں اطراف سے خشکی کے ٹکڑوں نے گھیرا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں جنوبی یورپ اور اناطولیہ جبکہ جنوب میں شمالی افریقہ کے علاقے واقع ہیں۔ مغرب میں یہ آبنائے جبرالٹر کے ذریعے بحرالکاہل سے جاملتا ہے۔ قبرص، کریٹ، رہوڈس، سسلی اور مالٹا اس کے مشہور جزیرے ہیں۔(Wikipedia:Mediterranean Sea)

الخلیج العربی: الخلیج العربی اصلاً بحرالہند کی شاخ ہے جو آبنائے ہرمز سے ہوتی ہوئی فارس اور جزیرۃ العرب کے بیچوں بیچ شمال کی طرف اندر تک چلی گئی ہے۔ اسے خلیج فارس بھی کہا جاتا ہے۔ الخلیج العربی اور اس کے ساحلی علاقے کالے سونے یعنی پٹرولیم کی پیداوار میں سرِفہرست ہیں اسی لیے دنیا کی بڑی طاقتیں اس خطے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہیں۔
(Wikipedi:Persian Gulf)

بصیرت نام تھا جس کا گئی............!

عبدالرشید ارشد

اصل شعر تو شاعر مشرق علامہ اقبال کا ہے۔فرمایا:

ع حمیّت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

اس شعر سے ایک خاندان کی داستان وابستہ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جب ہم علامہ کی روح سے معذرت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ''بصیرت نام تھا جس کا، گئی اہل وطن کے قلب وذہن سے'' تو اس کی تہہ میں بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی 69 سالہ تاریخ کا ہر ہر ورق ہے، ہر ہر دن ہے۔ یہ مؤمنانہ بصیرت ہی تھی جس نے مرحوم چودھری رحمت علی کو اسلامیانِ ہند کے لیے آزاد مسلم ریاست پاکستان کے تصوّر کی راہ دکھائی تھی۔ جب وہ برطانیہ میں طالب علم تھے، یہ بھی مؤمنانہ بصیرت ہی تھی جس نے یورپ ہی کے تعلیم یافتہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کو چودھری رحمت علی کی فکر میں رنگ بھرتے تائید کی توفیق بخشی اور پھر یہ بھی تو بصیرت ہی کا شاہکار تھا جس نے یورپ ہی سے تعلیم پا کر فکر رحمت علی اور فکر اقبال کو عملی شکل دینے کے لیے مسلم لیگ کا علم تھاما اور انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، ہندو کی مکاری وعیاری کو زک پہنچاتے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی جنگ لڑی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی لاج رکھتے 27 رمضان المبارک 14 اگست 1947ء کو پاکستان دیا۔

تینوں سعید روحوں، چودھری رحمت علی، علامہ اقبال اور محمد علی جناح نے کبھی سوچا بھی نہ

ہوگا کہ جس قوم کی جھولی میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا قیمتی اثاثہ ڈال چلے ہیں وہ حفاظت و استحکام کے لئے مطلوب بصیرت کے سرمایہ سے بانجھ ہوگی۔ اسلام کا نام لینے کے باوجود اسلام کی بنیاد مومنانہ بصیرت سے کوری ہوگی۔ اس کی ''بصیرت'' کی بنیاد اغیار کی غلامی کے سبب انہی کے ہاں رہن رکھی جا چکی ہوگی۔ یہ محض مفروضہ نہیں، ٹھوس حقیقت ہے کہ قائداعظم کی وفات کے بعد باوجود قرارداد مقاصد کے ساتھ اسلامی آئین دستور کی تدوین، سیاسی و دینی راہنماؤں نے ایک دن کے لئے بھی عملاً بصیرت کا مظاہرہ کرتے استحکامِ وطن کی جانب قدم نہ بڑھایا اور ملک بتدریج کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا تا آنکہ اسلامی جمہوریہ ہی کے ایک وزیراعظم نے ''ادھر تم، ادھر ہم'' کا نعرہ مستانہ لگایا، ازلی دشمن یہود و ہنود کی باہمی منصوبہ سازی کامیاب ہوئی تو 1971ء میں نصف پاکستان (مشرقی پاکستان) بنگلہ دیش بن گیا۔ مسلمان کی بصیرت ہار گئی اور ملت کفر کی بصیرت جیت گئی۔

مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے اور بنوانے والوں کو راہ مل گئی۔ اُن کی بصیرت پالش ہو کر فعال ہوگئی کہ اُنھوں نے مغربی پاکستان کو کمزور اور غیر مستحکم کرنے کے لئے کوئی لمحہ ضائع نہ کیا۔ ان کی بصیرت نت نئی راہیں دکھاتی رہی کبھی دریائی پانی روک کر پاکستان کو بنجر بنانے کے لئے دریاؤں پر ڈیم بنے تو کبھی پاکستان کے دوست ممالک کی مارکیٹوں پر ہلہ بول کر برآمدات کا دھڑن تختہ کر دیا گیا۔ کبھی ممبئی تاج و اوبرائے ہوٹلوں پر پاکستانی دہشت گردوں کا حملہ قرار دیتے پاکستان کو پاکستان کی دینی جماعت کو بدنام کرنے میں اپنی کامیابی تلاش کی تو کبھی کشمیر میں کارروائی پاکستان کے کھاتے میں ڈالی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نابغہ شخصیات اپنی بے بصیرتی کے ہاتھوں ہمیشہ ہی یہود و ہنود کی بصیرت کے سامنے بے بس ثابت ہوئیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں (اِلا ماشاء اللہ) نے کبھی بصیرت کو زحمت نہ دی مثلاً سیاسی جماعتوں سے بننے والے بعض وزرا حضرات پاکستان سے زیادہ غیروں کے خیرخواہ بن کر ملک دشمن وزیرخزانہ اور وزیراعظم تک مقرر کرتے رہے مثلاً پرانے دور کے شعیب پاکستان کے وزیرخزانہ سے زیادہ یہود نواز IMF کے وزیرخزانہ تھے، سابق وزیراعظم معین قریشی پاکستان کے وزیراعظم کے بجائے غیروں کے ایجنڈے کی تکمیل کے وزیراعظم تھے

اوراس طرح شوکت عزیز کی وزارتِ عظمیٰ کی پالیسیوں کا تجزیہ کریں تو یہ سب یہود نواز IMF کی پالیسیوں کی ترویج تھی اور وہی شوکت عزیز واپس جا کر دوبارہ پاکستان دشمن بھارت میں بطور ایڈوائزر بھی آئے۔ان سے استفادہ کنندگان کی بصیرت کا معیار آپ کے سامنے ہے۔

آج پاکستان جس قسم کے بحرانوں کا شکار ہے وہ کسی باشعور پاکستانی کی نظر سے اوجھل نہیں ہیں۔ عدمِ استحکام کے لیے چہار سو دہشت گردانہ کارروائیاں روز مرہ کا معمول ہیں۔ بھارت کی شب و روز کی ریشہ دوانیاں بارڈر پر ہر روز گھنٹوں فائرنگ، پاکستان کے اندر جاسوسی کا نیٹ ورک،'را' کے ذریعے بے ضمیر پاکستانیوں کو خرید کر من پسند کارروائیاں کروانا اور افغانستان و ایران کو پاکستان سے دور کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنا، معاشی طور پر غیر مستحکم کرنے کی خاطر بیرونی ممالک خصوصاً عربوں میں پاکستانی مصنوعات کو ناقص اور بھارت مصنوعات کی بھرمار پر خصوصی توجہ ہے۔ ہر شعبۂ زندگی دشمن کی زد میں ہے۔

مذکورہ صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ہر فرد جذبہ حُبّ الوطنی سے سرشار اپنے دائرہ کار میں استحکامِ وطن کے لئے منظّم و متحد ہو کر کردار ادا کرے کہ گزرتے دنوں کا تقاضا یہی ہے۔ دینی عناصر ہوں یا سیاسی لوگ، حکمران طبقہ ہو یا ہر نوع کی بیوروکریسی، معلّمین ہوں یا مسیحا یعنی ڈاکٹر حضرات، غرض ہر کوئی اپنے فرضِ منصبی کی اہمیت جانتے ہوئے ذاتی مفادات کو دفن کرے اور قومی مفادات کے لیے مصروفِ عمل ہو کہ یہی آج کا تقاضا ہے۔

حب الوطنی کے حوالے سے ہالینڈ کے ایک معصوم بچے کی کہانی بڑی مشہور ہے کہ ہالینڈ کے ساتھ سمندر ہے، مدو جزر سے اکثر پانی باہر آ کر آبادیوں کو تباہ کرتا رہتا تھا چنانچہ ایک بند بنا کر اس مشکل کا حل نکالا گیا۔ ایک روز ایک معصوم بچہ بند پر سے گزرتا گھر جا رہا تھا کہ ایک جگہ پر بند سے پانی رس کر باہر نکل رہا تھا۔ معصوم ذہن نے سوچا کہ قریب کوئی شخص نہیں جس کو پکاروں۔ گاؤں جا کر اطلاع کرنے تک یہ نالے کی شکل میں بہنا شروع ہو جائے گا تو زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا لہٰذا کسی گزرنے والے تک میں اس سوراخ میں بیٹھ کر اسے بند کر دیتا ہوں چنانچہ وہ اس سوراخ میں بیٹھ گیا اور پانی بند ہو گیا سردی کا موسم تھا کوئی شخص نہ گذرا اور وہ بچہ بھی نہ اٹھا اور سردی سے ٹھٹھر کر اسی سوراخ میں جان قربان کر گیا۔ صبح سویرے جب کوئی وہاں سے گزرا اور بچے کو مردہ

پا کر اٹھایا تو سوراخ سے پانی بہنے لگا جس سے معلوم ہوا کہ بچے نے اپنی جان کا نذرانہ کیوں دیا۔ یہ ہے حب الوطنی جس کا ثبوت ایک معصوم جان نے تاریخ کے صفحات کو عطا کیا دوسری طرف پاکستان کی سیاسی جماعتیں ہیں جو تاریخ میں کیا لکھوا رہی ہیں وہ کل کا مؤرّخ ہی بتائے گا۔

آج اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دشمن (یہودی، امریکہ و بھارت کا اتحاد ثلاثہ) مکمل یکسوئی اور مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اپنی ہمہ جہت سازشوں میں مصروف ہیں۔ یو این او پر یہود کا مکمل کنٹرول ہے کہ یہ انھوں نے ہی بنوائی تھی (یہ تاریخی حقیقت ہے) یو این او میں مشرقی تیمور کی مسیحی آبادی کے لئے آزاد ریاست چند دن میں طے ہو جائے، جنوبی سوڈان کی مسیحی برادری کے لئے آزادی 'چٹ منگنی پٹ بیاہ' کے اصول پر طے ہو جائے لیکن بھارت سے آزادئ کشمیر کا مسئلہ 69 سال سے طے نہ ہو سکا جو یہود و ہنود اور امریکہ کے طے کردہ پروگرام کے سبب لٹک رہا ہے کیونکہ ملت اسلامیہ کا باہمی انتشار اسے اس قوت سے محروم کر چکا ہے جو ملت کفر کو آج نصیب ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

مگر غالباً ان کی زندگی بھی ملت مسلمہ کا مؤثر اتحاد نہ دیکھ سکی تھی چنانچہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ "تم خوار ہوئے ہیں تارکِ قرآن ہو کر"۔

پاکستان خطرات میں گھرا ہے آج قومی یک جہتی کی جس قدر ضرورت ہے شاید ماضی میں کبھی نہ تھی مگر آج تمام سیاسی مذہبی کہلوانے والی جماعتیں باہم دست و گریباں ہیں۔ نہ طبقہ علماء میں یک جہتی ہے اور نہ ہی سیاسی جماعتوں میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی ہے ہم کسی مخصوص جماعت کی وکالت نہیں کرتے۔ کوئی بھی فرشتہ نہیں انسان ہیں مگر یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ قومی حمیت و غیرت کا سرمایہ کسی کی جھولی میں نہیں ہے۔ ہر جماعت دینی و سیاسی اور ہر فرد کا ایک ہی نعرہ ہے کہ "ہم چوں ما دیگرے نیست" یعنی ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں کہ گردن میری ہی اونچی ہے یہ زندہ قوموں کا شعار نہیں ہوتا۔

آج چوراہے پر ہم کھڑے ہیں، دشمن تو دشمن ہیں ہی، جنہیں ہم دوست سمجھ رہے ہیں

وہ ان کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ مسلمان کا حقیقی دوست صرف مسلمان اور وہ بھی صاحب ایمان ہی ہوسکتا ہے۔ کافر کوئی بھی ہو، روس ہو، امریکہ و برطانیہ اور فرانس ہوں وہ صرف اپنے مفادات کے دوست ہیں۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ہم اپنے انتہائی قابل اعتماد دوست امریکہ کی دوستی انجوائے کر چکے ہیں کہ ہماری مدد کو آنے والا امریکی بحری بیڑہ ''انٹر پرائز'' اس وقت پہنچا جب ہمارا بیڑہ غرق ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا تھا۔ فی الواقعہ امریکی انٹر پرائز نے بھارت کی مدد کی تھی کہ اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَة۔ اسی پاک بھارت جنگ کے دوران امریکہ ہی سے خرید کردہ F-104 کے معاہدے کے تحت ملنے والے سپیر پارٹز کی فراہمی روک کر پاک امریکہ دوستی کا عملی ثبوت فراہم کیا گیا تھا۔ مگر آفرین ہے ہماری بصیرت کا، امریکہ آج بھی ہمارا ''جگری یار'' ہے کہ ہماری سرکار کی بصیرت کا یہی فیصلہ ہے اور امریکہ میں ہی قید عافیہ صدیقی بھی ہماری بے غیرتی و بے بصیرتی کا ثبوت دے رہی ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے عمومی حالات پر طائرانہ نظر ڈالیں تو ہر کونے میں ''مؤمنانہ بصیرت'' حکمرانوں کی حمیت وغیرت کا ماتم کرتی دیکھی جارہی ہے کہ کس 'حسن وخوبی' کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا جارہا ہے۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان ذبح ہورہے ہیں اور مسلمان حکمران اس مسلم کشی کے لئے مطلوب سامانِ حرب کی خرید کے لئے امریکہ سے اربوں ڈالر کا سودی قرض لے چکے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں سودی قرض کو اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف جنگ قرار دیا گیا ہے اور حدیث میں پرلے درجے کی اخلاقی بے غیرتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اور (اے نبی ﷺ) بے شک آپ اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ درجے پر ہیں (القرآن)

آئینۂ

حکمت بالغہ

2016ء

جنوری 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اقبال کا انسانِ کامل	مولانا صلاح الدین	10
5	ایک امریکی مسلمان کی کہانی	طارق مہنا	15
6	جونا گڑھ پر بھارتی تسلط 68 سال	رابعہ عظمت	23
7	جسٹس رانا بھگوان داس بھگوانؔ	سیّد بلال احمد بخاری	32
8	اُمت مسلمہ پنجہ یہود میں،......	عبدالرشید ارشد	37
9	حالیہ مغربی تہذیب اور انگریزی زبان 2	انجینئر مختار فاروقی	47
10	انجمن کی سالانہ رپورٹ 2015ء	عبدالمجید کھوکھر ناظم اعلیٰ	53
11	یہ بنگلہ دیش ہے:......	محمد منظور انور	59
12	آئینۂ حکمت بالغہ 2015ء	ثاقب نذر	61
13	حکمت بالغہ کا شمارہ دسمبر 15ء میری نظر میں	عبدالرشید ارشد	

فروری 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	سودی بینکاری نظام، دینِ حق سے برسرِ پیکار ہے	ڈاکٹر طاہر ابرار	9
5	حقیقتِ نفاق (حصہ اوّل)		16
6	ابراہیمی نصابِ تعلیم	محمد رشید عمر	26
7	لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ......(القرآن)	عبدالرشید ارشد	32
8	امریکہ کی سرکاری مہر	رضی الدین سیّد	36
9	دین و مذہب اور سیکولرازم	محمد فہیم	39
10	ایک پاکیزہ محفل مشاعرہ	مولانا عبدالماجد دریابادی	42
11	مقدمۂ سیرت (سلسلہ وار 1)	ساجد محمود مسلم	44
12	خصوصی اشاعت ”حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے“ پر اہل علم کے تأثرات		53

مارچ 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6

4	حقیقتِ نفاق (حصہ دوم)	انجینئر مختار فاروقی	10
5	مقدمہ سیرۃ امام المرسلین ﷺ سلسلہ وار 2	ساجد محمود مسلم	24
6	تفرقہ: وجہ عذاب!	عبدالرشید ارشد	34
7	کوئی خدا نہیں مگر اللہ تعالیٰ	سلطان بشیر محمود	42
8	لادینیت کا سیلاب......ایک وارننگ	محمد منظور انور	56
9	تبصرہ و تعارف کتب		60

اپریل 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات	سورۃ اللیل	5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	تحریکی لٹریچر، درپیش علمی معرکہ	سیّد سعادت اللہ حسینی	14
5	مقدمہ سیرۃ امام المرسلین ﷺ سلسلہ وار 3	ساجد محمود مسلم	33
6	قانون توہین رسالت کے خلاف سازشیں	محمد فہیم	44
7	مسلمانوں کے مسالک کے مابین ہم آہنگی ماضی قریب کی دو چشم کشا مثالیں	انجینئر مختار فاروقی	48
8	معاشی دہشت گردی۔ ریاستی گدھ	محمد منظور انور	52
9	اہل علم کے تاثرات کے خطوط		58

مئی 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	خلائی اسفار، معراج مصطفےٰ ﷺ اور عظمت انسانی	انجینئر مختار فاروقی	10
5	چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور جدید سائنس	طارق اقبال	25
6	از خود نوٹس کی حدود اور تعلیمی نصاب	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام	30
7	جدید دور کا سب سے بڑا چیلنج	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	39
8	بدعہدی کر کے نبی ﷺ کا دل نہ دُکھائیں	پروفیسر حمزہ نعیم	52
9	ایک سوال ایک جواب	مولانا محمد انور چیمہ	56
10	قومی یکجہتی میں مسجد و مدرسہ کا کردار	انجینئر مختار فاروقی	58
11	سلسلہ وار درسِ قرآن کی تکمیل رپورٹ	عرفان مغل	62

جون 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	8
4	روزہ ایک جنگی ہتھیار	محمد وسیم	15
5	مقدمہ سیرۃ امام المرسلین ﷺ	ساجد محمود مسلم	18
6	وحدانی نظامِ تعلیم	حسان اکبر	30
7	مغرب، مسلم دنیا کی مشترکہ نفرت کا نشانہ کیوں؟	رضی الدین سیّد	39
8	معاشرتی جھگڑے اور حل	محمد حسین	46
9	آسمانی ہدایت کی نافرمان قوموں کا انجام	محمد منظور انور	53
10	تحفظ حقوقِ نسواں، مسلم عورت سے مذاق ہے	بنت منظور انور	58

11	تبصرہ و تعارف کتب		62

جولائی 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	بسلسلہ تحفظ حقوق نسواں بل	انجینئر مختار فاروقی	12
5	مقدمہ سیرۃ امام المرسلین ﷺ سلسلہ وار 5	ساجد محمود مسلم	30
6	رمضان المبارک اور دُعا	شیخ عمر فاروق	44
7	احکامِ عید الفطر		48
8	علامہ اقبال، اکابر علماءِ حق اور قادیانیت	محمد سہیل باوا	51
9	قانون اور حقوقِ نسواں	محمد دین جوہر	57
10	تبصرہ و تعارف کتب		61

اگست 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	رحمتوں برکتوں کی رات، قیام پاکستان کی رات	اوریا مقبول جان	11
5	سیرۃ امام المرسلین ﷺ (سلسلہ وار 6)	ساجد محمود مسلم	25
6	پاکستانی ایک ملت ہیں یا قوم؟	ڈاکٹر ضمیر اختر خان	39
7	امت مسلمہ، ماضی حال اور مستقبل	ڈاکٹر دوست محمد	44
8	جادو سیکھیے	اُمِّ آمنہ	47
9	لبرل پاکستان	رضی الدین سیّد	50
10	روہنگیا مسلمان اور الحاق پاکستان	سیّد شہاب الدین	54
11	ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟......	محمد منظور انور	57
12	ہم لفظوں کے کنجوس	عاصم حفیظ	61
13	Many changes in Europe took place		64

ستمبر 16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	رحمتوں برکتوں کی رات، قیام پاکستان کی رات	اوریا مقبول جان	12
5	عصر حاضر کا چیلنج	محمد رشید عمر	22
6	سیرۃ امام المرسلین ﷺ (سلسلہ وار 7)	ساجد محمود مسلم	27
7	پاک سرزمین، ایک منفرد خطۂ زمین	انجینئر مختار فاروقی	34
8	آہ! (مقبوضہ) حیدر آباد (دکن)	انجینئر مختار فاروقی	41
9	حقیقت جہاد	انجینئر مختار فاروقی	48
10	احکام و مسائل قربانی	فرید اللہ مروت	59
11	’بریدِ فرنگ‘		61

12	تبصرہ وتعارفِ کتب		62

اکتوبر16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چندلمحات	سورۃ القدر	3
2	بارگاہِ نبوی میں چندلمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	حقیقت جہاد (2)	انجینئر مختار فاروقی	12
5	معراج سیّدالمرسلین ﷺ اور رؤیت باری تعالیٰ	مولانا سیّد محمد میاں	24
6	مسائل میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان	حافظ مختار احمد گوندل	39
7	اصل چہرہ نقاب سے باہر	محمد فہیم	53
8	تنازعۂ کشمیر، UNO اور............	محمد منظور انور	56
9	تبصرہ وتعارف کتب		61
10	لبرل ازم کا تحفہ، مختلف وائرس اور لاعلاج امراض		63

نومبر16ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چندلمحات		3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	9
3	باب1		19
4	باب2		33
5	باب3		43
6	باب4		121
7	باب5		145
8	باب6		153
9	باب7		167
10	باب8		175
11	باب9		183
12	باب10		191
13	ضمیمہ جات		201

دسمبر2016ء مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چندلمحات	سورۃ البینۃ	3
2	بارگاہِ نبوی میں چندلمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	علامہ اقبالؒ کی شخصیت کے تخلیقی عناصر	مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی	11
5	تحریک پاکستان میں اقبال کا کردار	ڈاکٹر محمد اسلم ضیا	25
6	اقبال کا تصوّرِ ابلیس	میاں صدیق صادق	33
7	جزیرۃ العرب: جغرافیائی کوائف (سیرتِ امام المرسلین ﷺ)8	ساجد محمود مسلم	44
8	بصیرت نام تھا جس کا گئی............!	عبدالرشید ارشد	56
9	آئینہ حکمت بالغہ 2016ء	ثاقب نذر	62

سیّدنا حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم

محسن انسانیت، رحمت للعالمین، خاتم النّبیین والمرسلین

کی سیرت وپیغام کا تذکرہ، تفہیم اور تشہیر ایسا مسحور کن نغمہ ہے جو کسی فصل گل ولالہ اور موسم کا پابند نہیں

تاہم اس میں ہر سال ماہ ربیع الاوّل میں جزر کے بعد مد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے

ماہِ دسمبر 2016 میں 12 ربیع الاوّل کی مناسبت سے

12 ربیع الاوّل 1438ء 12 دسمبر 2016ء بروز سوموار یا

13 دسمبر 2016ء بروز منگل کو ہوگی۔

قرآن اکیڈمی جھنگ کے آڈیٹوریم میں

رحمۃ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سیمینار

منعقد ہو رہا ہے

ان شاءاللہ العزیز پروگرام: 10:00 بجے صبح تا 01:00 بجے دوپہر

☆ جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب (فرزندار جمند ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

☆ جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد)

☆ جناب ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی (صدر انجمن خدام القرآن ملتان وامیر حلقہ پنجاب جنوبی)

اور دیگر مقررین خطاب فرمائیں گے

آپ سے اس پروگرام میں ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کی اپیل ہے

چشم براہ: انجینئر مختار فاروقی

وارا کین انجمن خدام القرآن جھنگ